اُردو کی ساتویں کتاب

ساتویں جماعت کے لیے

Library

این۔ ڈبلیو۔ ایف۔ پی ٹیکسٹ بک بورڈ۔ پشاور

اُردو

ساتویں جماعت کے لیے

N.W.F.P. TEXTBOOK BOARD

Curriculum Development & Text Book Production Wing
H-9, Islamabad.
LIBRARY
033

این۔ ڈبلیو۔ ایف۔ پی ٹیکسٹ بُک بورڈ۔ پشاور

جملہ حقوق بحقِ این ۔ ڈبلیو ۔ ایف ۔ پی ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور محفوظ ہیں۔
تیّار کردہ این ۔ ڈبلیو ۔ ایف ۔ پی ٹیکسٹ بک بورڈ بطور واحد نصابی کتاب
برائے جملہ مدارس صُوبہ سرحد و قبائلی علاقہ جات و منظور کردہ قومی ریویو کمیٹی
وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومت پاکستان۔

مُصنّفین

- پروفیسر غُلام مُحمّد قاصر
- مس ناصرہ ملک
- مس نسیم مُفتی
- پروفیسر مُحمّد علی نقوی
- نجمُ الدّین
- فقیر حُسین ساحر
- مُختار علی نیّر

مدیران

پروفیسر غُلام مُحمّد قاصر ○ ڈاکٹر مُمتاز منگلوری

پرنٹرز :۔ حمیدیہ پریس پشاور

خطّاطی : محمّد اشرف تبسّم ۔ لاہور

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان		نمبر شمار
۵	(نظم)	حمد	۱
۶		دیانت اور امانت	۲
۹	(نظم)	نعت	۳
۱۱		اُداس گھنٹی	۴
۱۴		یومِ استقلال	۵
۱۹	(نظم)	اپنا پرچم ایک	۶
۲۰		اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا	۷
۲۳		ایک یادگار دِن	۸
۲۶		چترال	۹
۳۱	(نظم)	بارش	۱۰
۳۲		حضرت خالد بن ولیدؓ	۱۱
۳۶		مُعزّز پیشہ	۱۲
۴۱		قومی پرچم	۱۳
۴۵	(نظم)	دھنک	۱۴
۴۷		حضرت پیر باباؒ	۱۵
۵۱		لُومڑی کی چالاکی	۱۶
۵۵		قیامِ پاکستان میں خواتین کا حصّہ	۱۷
۵۹	(نظم)	مِل کے رہو	۱۸
۶۰		فارابی	۱۹
۶۳		پندرہ دِن چین میں	۲۰
۶۹		صُلحِ حُدیبیہ	۲۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۲	کمان (نظم)	۷۵
۲۳	لانس نائیک لال حسین شہید	۷۶
۲۴	خدمتِ خلق	۸۱
۲۵	اکبر الہ آبادی	۸۶
۲۶	چاند اور تارے	۸۹
۲۷	گوتم بُدھ	۹۱
۲۸	والی بال	۹۷
۲۹	مُسلمانوں کی بیداری میں اقبالؒ کا حِصّہ	۱۰۰
۳۰	ترانہ (نظم)	۱۰۴
۳۱	کیپٹن مُحمّد سرور شہید	۱۰۶
۳۲	چھوٹی چھوٹی باتیں	۱۰۹
۳۳	بابائے اُردُو	۱۱۴
۳۴	ہمارے وطن کا نشان (نظم)	۱۱۷
۳۵	رائٹ برادران	۱۱۸
۳۶	دیہی زِندگی	۱۲۲
۳۷	لطائف	۱۲۸
۳۸	آغا خان	۱۳۱
۳۹	آمدِ صُبح (نظم)	۱۳۵
۴۰	سردار عبدالرّب نشتر	۱۳۷
۴۱	ابتدائی طِبّی امداد	۱۴۲
۴۲	اقوالِ زرّیں	۱۴۶
۴۳	نیا راستہ	۱۴۷
۴۴	پہیلیاں	۱۵۰
۴۵	میرا روزنامچہ	۱۵۲
۴۶	مصنوعی سیّارے	۱۵۶
۴۷	کہانی	۱۶۰
۴۸	رِشتے (نظم)	۱۶۳
۴۹	خُطوط	۱۶۶
۵۰	خضر کا کام کروں	۱۶۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد

ابتدائے کلام کرتا ہُوں
دم تری بندگی کا بھرتا ہُوں

جب تری حمد کان پڑتی ہے
دِل مُردہ میں جان پڑتی ہے

صُبح کا نُور ہے کتاب تری
حمد کرتا ہے آفتاب تری

کوہساروں کو تُو نے چمکایا
برف کا تاج اُن کو پہنایا

تیری رحمت پہ ہے نظر سب کی
تجھ کو ہر آن ہے خبر سب کی

سب خزانوں کا مالک و مُختار
ذرّے ذرّے میں ہیں ترے انوار

ہر جگہ تیری حُکمرانی ہے
تُو ہے باقی، جہان فانی ہے

ہر عمل ہو ترِی رضا کے لیے
میرے اَفکار ہوں ثنا کے لیے

(حافظ لدھیانوی)

مشق

۱۔ تیسرے اور پانچویں شعر کی تشریح اپنی کاپی میں لکھیے۔

۲۔ ہمیں اللہ کی رضا کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

۳۔ درجِ ذیل میں جمع کے واحد اور واحد کے جمع لکھیے:
عمل، افکار، انوار، خبر، ذرّہ۔

۴۔ اِس نظم سے آفتاب، انوار، فانی اور کان کے ہم قافیہ الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

دِیانَت اور اَمانَت

دِیانَت اور اَمانَت اَخلاقِ حَسَنَہ میں شمار ہوتے ہیں۔ امین کا لفظ بھی امانت ہی سے بنا ہے۔ یہ ایسی صِفَت ہے جس کے سَبَب اِنسان کو مُعاشرے میں اچھّی نِگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور خُدا کے یہاں بھی اس کا اچھّا بدلہ مِلتا ہے۔ جب کوئی بات، کوئی چیز یا کوئی حق کسی شخص کے سپُرد کیا جاتا ہے تو وُہ شخص امین کہلاتا ہے اور اُس حق کو حقدار تک پُہنچانا دِیانَت اور اَمانَت کہلاتا ہے۔

آنحضرت صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی مُبارک زِندگی جہاں اور تمام اچھّے اَخلاق و اَوصاف کا نمُونہ ہے، وہاں دِیانَت اور اَمانَت کے سِلسلے میں بھی آپؐ نے زِندگی میں وہ مِثال قائم کی ہے جس کی نَظِیر نہیں مِلتی۔

نبوُّت سے قبل مکّہ کا مُعاشرہ ایسا تھا جس میں دُنیا جہان کی تمام بُرائیاں موجُود تھیں۔ ایسے ماحول میں رَسُولِ خُدا صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم مُعاشرے کے سامنے اچھّے اَخلاق اور دِیانَت و اَمانَت کا نمُونہ بن کر آئے۔ اپنے پرائے، دوست دُشمن، سب کے راز بھی آپؐ کے پاس محفُوظ ہوتے اور اُن کا مال و دَولت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ مکّہ کے اُس گئے گزُرے مُعاشرے میں بھی آپؐ کو امین کا لَقَب دیا گیا۔ آپؐ کو صادق و امین کہہ کر پُکارا جاتا ہے، کیونکہ جو کچھ بھی آپؐ کے سپُرد کیا جاتا آپؐ اُس کا اِنتہائی خیال رکھتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا مکّہ کی ایک مال دار، شریف اور مُعزّز خاتُون تھیں۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اَمانَت داری کی شُہرت عام ہو کر آپ کے کانوں تک پُہنچی، جس سے حضرت خدیجہؓ بہُت مُتاثّر ہُوئیں۔ تصدیق کرنے کی غرض سے اپنا مالِ تجارت آپؐ کے حوالے کیا اور اپنے غُلام میسرہ کو آپؐ کے ہمراہ

روانہ کیا۔ آپؐ نے مالِ تجارت لے کر شام کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر میں انتہائی دیانت اور امانت کی وجہ سے پہلے سے کہیں زیادہ منافع ہُوا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ کی زبانی آپؐ کی دیانت اور امانت کی رُوداد سُنی تو بہت مُتاثر ہُوئیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔

بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایک امانت آپؐ کے سپرد ہوئی۔ یہ امانت اللہ تعالیٰ کا پیغام اُمّت تک پُہنچانا تھا۔ یہ امانت حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بہترین طریقے سے اُمّت تک پُہنچائی۔ حضورؐ کی اسی تعلیم کی وجہ سے عرب کا پسماندہ معاشرہ دُنیا کا بہترین معاشرہ بن گیا۔ آپؐ کے صحابہؓ نے آپؐ کی پیروی کی اور اُن میں بھی امانت اور دیانت کی اعلیٰ صفات پیدا ہوگئیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی امانت داری ضربُ المثل تھی۔ اپنے تو اپنے، دُشمن بھی آپؐ کے پاس امانت رکھواتے تھے۔ حالانکہ اسلام کی تبلیغ کی وجہ سے حضورؐ سے دُشمنی بھی ایسی رکھتے تھے کہ آپؐ کو ہر قسم کی تکلیفیں پُہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ کافروں کے سرداروں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ آپؐ کو قتل کر دیا جائے۔ جب کافروں نے اپنے اس فیصلہ پر عمل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مکّے سے مدینہ مُنوّرہ ہجرت کرنے کا حُکم دیا، لیکن اُس وقت بھی آنحضرتؐ کے پاس اُنھی کافروں کا مال و دولت امانت کے طور پر پڑا ہُوا تھا۔ آپؐ کی امانت داری کا حال یہ تھا کہ اُس وقت بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اپنے بستر پر سُلاتے ہُوئے ہدایت فرمائی کہ تمام لوگوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر کے مدینہ چلے آنا۔

یہ واقعات واضح کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی نظروں میں دیانت اور امانت کی کتنی اہمیّت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حُکم دیا ہے کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زندگی کی پیروی کی جائے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم بھی دیانت کی صفت اپنائیں اور امانت داری کی زندگی بسر کریں۔

مَشق

۱- رَسُولِ کریمؐ کو صادق اور امین کے خطاب سے کیوں یاد کیا جاتا ہے ؟
۲- کفارِ مکہ آپؐ کی کس خوبی کی وجہ سے اَمَانتیں آپؐ کے پاس رکھتے تھے ؟
۳- رسولِ کریم صَلّی اللہ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے مدینہ کیوں ہجرت، کی تھی ؟
۴- کفّارِ مکہ نے آپؐ کے خلاف کون سا منصُوبہ بنایا تھا ؟
۵- حَضرت خدیجہؓ کون تھیں ؟
۶- واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے:-
خلق ___ حق ___ خاتون ___ صفات ___ کُفّار -
۷- اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے :-
نگہداشت - مُعاشرہ - مِثال - سپُرد - مُتاثّر -
۸- دُرُست اِعراب لگائیے :-
امین - اخلاقِ حسنہ - نظیر - معزز - ضرب المثل - بعثت -
۹- درج ذیل جُملے دُرُست کیجیے :-
(ا) حضرت خدیجہؓ نے اپنے غُلام میسرہ کو آپؐ کے ساتھ بھیجے -
(ب) حضُورؐ کے دُشمن بھی اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھتا تھا -
(ج) کافروں نے حضُورؐ کو بہت تکلیفیں پہنچائی -
(د) ہمیں چاہیے کہ دیانت داری کا زندگی بسر کرے -
۱۰- آپ جانتے ہیں کہ بہادر لڑکا، نیک خاتون، ٹھنڈا پانی میں " بہادر، نیک، ٹھنڈا " اسمِ صِفَت ہیں اور " لڑکا، خاتون، پانی "، موصُوف ہیں - یعنی اسمِ صِفت وہ اِسم ہے جو کسی (اِسم) شخص، چیز یا مقام کی خُصُوصِیّت، اچھائی یا بُرائی کو ظاہر کرے - آپ اِس سَبَق سے اسمِ صِفَت تلاش کر کے لکھیے -

نعت

اللہ نے اپنی رحمت سے
کیا خوب کرشمہ قدرت کا
اُس چاند کا نام محمدؐ ہے
اس نام سے ہے دُنیا روشن
بندوں کو خدا کی رحمت کا
کس طور سے ہم دُنیا میں رہیں
نیکی کا پڑھایا ہم کو سبق
جڑ کاٹی ساری بدیوں کی
مُسلم سا پیارا نام دیا
ایمان کی بھی دولت بخشی
فرمایا تُم مُسلم سارے
گھُل مِل کے رہو، مِل جُل کے رہو
فرمایا تُم امداد کرو
معذوروں کی، مجبوروں کی
وہ ماہِ عرب ہی اے نیّرؔ

اِک چاند عرب میں چمکایا
دُنیا والوں کو دِکھلایا
کِتنا میٹھا، کتنا پیارا
اس نام سے ہے جگ اُجیارا
مُژدہ وہ سُنانے آئے تھے
خودِ رہ کے بتانے آئے تھے
دِکھلائی راہ بھلائی کی
ڈھادی دِیوار بُرائی کی
اور دِین ہمیں اِسلام دیا
اللہ کا بھی پیغام دیا
آپس میں بھائی بھائی ہو
منظور جو اپنی بھلائی ہو
مظلوموں کی، ناداروں کی
بیماروں کی، بےچاروں کی
اپنا تو جہاں میں سہارا ہے

ہو جائیں فِدا اس نام پہ ہم
یہ نام ہی ایسا پیارا ہے

(محمد شفیع الدین نیّرؔ)

مَشق

۱۔ حَمد اور نَعت کا فرق بیان کیجیے۔

۲۔ اِس نظم میں شاعر نے حضورؐ کے کون کون سے احسانات گنوائے ہیں؟

۳۔ اِس نظم میں شاعر نے حُضورؐ کے کِن کِن ارشادات کا ذکر کیا ہے؟

۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے ہم قافیہ الفاظ لکھیے:

رحمت، پیارا، بھلائی، پیغام، سہارا۔

۵۔ معنی بتائیے۔

مُژدہ ___ جگ ___ ماہِ عَرب ___ فِدا ___ کرِشمہ۔

۶۔ جمع کے واحد لکھیے۔

بندوں ___ مَظلُوموں ___ مَعذُوروں ___ مجبُوروں ___ بیماروں ___ بے چاروں ___ ناداروں ___

۷۔ دُرست تلفّظ کے مطابق اِعراب لگائیے۔

کرشمہ۔ مژدہ۔ سبق۔ نیر۔ ماہ عرب۔

۸۔ اس نعت میں پانچ اسمِ صِفَت تلاش کر کے لکھیے۔

اُداس گھنٹی

ایک پہاڑی کے دامن میں چھوٹا سا گاؤں تھا۔ عدنان اسی گاؤں میں رہتا تھا۔ عدنان بہُت اچھّا لڑکا تھا۔ سب اُس کی اچھی عادتوں کو پسند کرتے تھے۔ گاؤں کے لوگ اُسے پیار سے نومی کے نام سے پکارتے تھے۔

ایک مرتبہ عدنان کے دادا نے اُسے ایک تحفہ دینا چاہا۔ دادا نے بہُت سوچا کہ وُہ عدنان کو کیا تحفہ دے۔ آخر اُس نے بڑی سوچ بچار کے بعد عدنان کو بھیڑ کا ایک بچّہ تحفے میں دینے کا فیصلہ کیا۔

نومی کے دادا نے بھیڑ کا ایک بچّہ خرید کر اُسے تحفے میں دیا۔ بھیڑ کا بچّہ نرم نرم مُلائم اُون کی طرح —— بڑا خُوبصُورت اور پیارا تھا۔ نومی کو یہ تحفہ پاکر بے حد خوشی ہُوئی۔ نومی اب دِن بھر بھیڑ کے بچّے کے ساتھ کھیلتا رہتا، اُسے ساتھ لے کر گاؤں سے باہر گھومنے نِکل جاتا۔

نومی اور بھیڑ کے بچّے میں رفتہ رفتہ اتنی دوستی ہوگئی کہ جِدھر نومی جاتا بھیڑ کا بچّہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے دوڑتا رہتا۔ نومی اُسے بَبلُو کہہ کر بُلاتا۔ بھیڑ کا بچّہ اپنے ننھّے مالک کی آواز سُنتے ہی اُس کی طرف دَوڑ پڑتا۔

کچھ دِنوں بعد نومی کے دادا نے اُسے ایک خُوبصُورت سی گھنٹی بھی دی۔ نومی نے وہ گھنٹی ایک مضبُوط ڈوری کے ساتھ باندھ کر بَبلُو کے گلے میں لٹکا دی۔ گھنٹی کی آواز بڑی دلکش تھی۔ اب بَبلُو جہاں جہاں جاتا، گھنٹی کی آواز وہاں وہاں گُونجتی رہتی۔

ایک دِن بَبلُو پہاڑی پر گھاس چر رہا تھا۔ نومی نے محسوس کیا کہ گھنٹی کی آواز میں کچھ اُداسی سی ہے۔ اُس نے غور کیا تو واقعی گھنٹی کی آواز میں ایک افسُردگی کی کیفیت تھی۔ اُس نے اپنے دادا سے اُس کا سبب پُوچھا تو دادا نے جواب دیا۔ بیٹے! گھنٹی کی آواز کی افسُردگی

میں ایک کہانی پوشیدہ ہے اور یہ کہانی مجھے میرے دادا نے سُنائی تھی اور یہ گھنٹی بھی مجھے دادا نے دی تھی جو نہ جانے کتنی مُدّت تک الماری میں حفاظت سے پڑی رہی۔

وُہ کہانی کچھ یُوں ہے کہ بہُت مُدّت پہلے ایک چرواہے نے بھیڑ کے چھوٹے سے بچّے کے گلے میں گھنٹی باندھی کہ پہاڑی راستوں پر گھُومتے ہُوئے یہ بچّہ جہاں بھی جائے گا گھنٹی کی آواز سے پتا چل جائے گا کہ وہ کہاں ہے۔ اِس طرح اُسے تلاش کرنے میں آسانی رہے گی۔ اُس نے بھیڑ کے بچّے کو یہ نصیحت کی کہ جنگل میں بہُت سے جانور ہوتے ہیں جو اکیلے بچّے کو دیکھ کر کھا جاتے ہیں۔ اِس لیے اُسے چاہیے کہ وُہ اپنی ماں اور اپنے ریوڑ سے زیادہ دُور جانے کی کوشش نہ کرے، لیکن بھیڑ کا بچّہ بڑا شرارتی تھا۔ ایک دِن جب کہ بارش ہو رہی تھی، سارا ریوڑ درختوں کے جھُنڈ میں بارش سے بچنے کے لیے کھڑا تھا۔ قریب ہی ایک برساتی نالے میں بارش کا پانی بہہ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر بچّے نے سوچا کہ پہلے تو یہاں پانی نہیں تھا، اب یہ کہاں سے آ رہا ہے؟ جا کر معلوم کرنا چاہیے۔ چُنانچہ وہ چُپکے سے نالے کے بہاؤ کی اُلٹ سمت میں چل پڑا۔ اُس کے چلنے سے گلے میں بندھی گھنٹی بجنے لگی لیکن بادلوں کی گرج میں کسی نے گھنٹی کی آواز نہیں سُنی۔

بھیڑ کا بچّہ اپنے خیال میں مگن چلتا رہا اور اُسے احساس ہی نہ ہو سکا کہ دِن ڈھل گیا ہے، شام کے سائے گہرے ہو رہے ہیں۔ جب اُسے خیال آیا تو بہُت دیر ہو چُکی تھی۔ اُس نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن اب تو راستہ بھی بھُول چُکا تھا۔ وُہ رونے لگا اور اپنی ماں کو پکارنے لگا لیکن جنگل کے اُس کونے میں اُس کی آواز سُننے اور اُس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

دُوسرے دِن جب سُورج طلُوع ہُوا تو بھیڑ کا بچّہ وہاں نہیں تھا۔ رات اُس پر کیا بیتی کسی کو معلُوم نہیں تھا۔ اَلبتہ ایک طرف خُون کے دھبّے اور ہڈیاں پڑی تھیں جنھیں دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مُشکل نہ تھا کہ خُونخوار جانور کا نوالہ بن گیا ہے۔

دُوسرے دِن چرواہا اُسے ڈھونڈتا ہُوا جب وہاں پہنچا تو اُسے بھیڑ کے بچّے کی بجائے ایک گھنٹی پڑی ہُوئی ملی، جسے اُٹھا کر وہ اپنے گھر لے آیا۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اُس

دِن کے بعد اس گھنٹی سے نکلنے والی آواز بڑی افسُردہ اور اُداس ہو گئی ہے۔

دادا تو یہ کہانی سُنا کر چُپ ہو گئے لیکن نومی بہُت اُداس ہو گیا۔ اُس نے سوچا، کاش! بھیڑ کا بچّہ چرواہے کی نصیحت پر عمل کرتا، ریوڑ سے دُور نہ جاتا تو اس طرح جنگل میں اندھیری رات میں اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھتا۔

مشق

۱۔ دادا نے اپنے پوتے کو کیا تحفہ دیا؟

۲۔ بھیڑ کے بچّے کو چرواہے نے کیا نصیحت کی تھی؟

۳۔ نصیحت پر عمل نہ کرنے کا کیا نتیجہ نکلا؟ ۴۔ اگر آپ کو کوئی کہانی یاد ہے تو لکھیے۔

۵۔ پہلے خانے میں دیے ہُوئے الفاظ کا دُوسرے خانے کے موزوں الفاظ سے جوڑ ملائیے۔

پہلا خانہ	دُوسرا خانہ
بھیڑوں کا	جُھنڈ
کُونجوں کی	ریوڑ
درختوں کا	جُھرمٹ
ستاروں کا	ڈار

۶۔ دیے ہُوئے جُملوں کو دُرست کیجیے۔

(ا) عدنان کو دادا نے تحفے میں ایک بھیڑ دیا۔

(ب) بھیڑ کے گلے میں ایک خُوبصُورت گھنٹی تھا۔

(ج) آج بہُت تیز بارش ہُوا۔

(د) بچّہ اپنا ماں کے پاس تھی۔ (و) قیصر کے پاس دو قلم تھا۔

۷۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی چیز، جگہ یا شخص کے نام کو اِسم کہتے ہیں۔ قواعد کی رُو سے اِسم تنہا اپنے معنی دے سکتا ہے۔ اس سے کسی چیز کی کیفیّت ظاہر کرنے میں بھی مدد ملتی ہے لیکن اس میں زمانے کا تعیّن نہیں ہوتا۔ آپ ان لفظوں پر غور کیجیے۔ نماز۔ پتّھر۔ ندی۔ لکڑی۔ یہ سب اِسم ہیں۔ ان کی بناوٹ پر غور کرنے سے معلُوم ہوتا ہے کہ یہ نہ تو کسی دُوسرے لفظ سے بنے ہیں اور نہ ہی اُن سے دوسرے کلمات بن سکتے ہیں۔ یعنی انھیں دو یا دو سے زیادہ کلموں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے اِسم، اِسم جامد کہلاتے ہیں۔ آپ اس سبق سے اِسم جامد تلاش کر کے لکھیے۔

یومِ استقلال

رشید ابھی صُبح کی نماز سے فارغ ہُوا تھا کہ فضا توپوں کی دَھنا دَھن سے گونج اُٹھی۔ وہ مسجد سے باہر نِکل آیا۔ ہلکی ہَوا چل رہی تھی۔ ابھی سڑک پر کچھ زیادہ چہل پہل نہ تھی۔ معاً اُسے خیال آیا کہ آج ۱۴ر اگست ہے اور یومِ آزادی کے احترام میں مُلک بھر کے تعلیمی ادارے اور دفاتر بند ہیں۔ گھر میں داخل ہوتے ہُوئے وُہ سوچنے لگا کہ آج قومی تقریبات کا دِن ہے، اُسے کسی تقریب میں شامل ہو کر مُلک و مِلّت سے وفاداری کا عہد تازہ کرنا چاہیے۔ اچانک اُسے اخبار والے کی آواز سُنائی دی۔ اُس نے لپک کر اَخبار لیا۔ آج کا اَخبار خاص نمبر تھا اور اُس کی ضخامت عام دِنوں کے اَخبار سے زیادہ تھی۔ یُوں تو سارے اَخبار میں قومی رہنماؤں اور تاریخی شخصیتوں کی تصاویر دی گئی تھیں لیکن سرورق پر کئی رنگوں میں چھپی ہُوئی مینار پاکستان کی تصویر آنکھوں کو بار بار دعوتِ نظّارہ دے رہی تھی۔ رشید سیدھا کھانے کے کمرے میں گیا اور اَخبار کو اُلٹ پلٹ کر مُختلِف تصویریں دیکھنے لگا۔ اِتنے میں اُس کی اَمّی چائے لے کر آ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد اُس کے ابّا جان بھی تشریف لے آئے۔ رشید نے اُٹھ کر دونوں کو سلام کیا اور اَدب سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ والِدہ نے اَخبار اُٹھا کر چند اہم خبروں کی سُرخیاں پڑھیں اور پھر سرورق کی تصویر کو دیکھتے ہُوئے بولیں۔

والِدہ: رشید میاں! تمھیں معلوم ہے آج ہمارا قومی دِن ہے۔

رشید: جی! لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم سال میں دو بار قومی دِن کیوں مناتے ہیں؟

والِدہ: سال میں دو بار کیسے؟

رشید: ایک ۲۳ر مارچ کو اور دُوسرا آج کا دن یعنی ۱۴ر اگست۔

والِدہ: ہاں! اِن دونوں میں بہُت فرق ہے۔ ۲۳ر مارچ قراردادِ پاکستان کا دن ہے۔ اِسے ہم یومِ پاکستان بھی کہتے ہیں اور ۱۴ر اگست قیامِ پاکستان کا دِن ہے۔ اِسے ہم یومِ اِستقلال بھی کہتے ہیں۔ ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو بَرِّصغیر کے مُسلمانوں نے پاکستان کا مُطالبہ پیش کیا اور ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجُود میں آیا۔ اِس لیے ہم یہ دونوں قومی دِن مناتے ہیں۔

رشید: آپ نے بتایا ہے کہ ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو پاکستان کا مُطالبہ پیش کیا گیا تھا۔ پاکستان کا تصوّر کب سامنے آیا تھا، اُس کے بارے میں بھی کچھ بتائیے۔

والِدہ: یہ ۱۹۳۰ء کی بات ہے۔ الہ آباد کے مقام پر آل اِنڈیا مُسلم لیگ کا سالانہ اجلاس تھا جس کے صدر علاّمہ اقبالؒ تھے۔ آپ نے اپنے صدارتی خُطبہ میں اِس خواِہش کا اظہار کیا تھا کہ بَرِّصغیر کے جن صُوبوں میں مُسلمانوں کی اکثریت ہے اُنھیں مِلا کر الگ اِسلامی ریاست قائم ہونی چاہیے۔

رشید: آخر اس خواِہش کا سَبَب کیا تھا؟ بَرِّصغیر میں ہندُو اور مُسلمان تو ہزاروں سال سے ساتھ ساتھ رہتے چلے آئے تھے، آزادی کی جِدّ و جُہد میں ہندُو بھی تو شریک تھے۔

والِدہ: بے شک! لیکن اُن کا راستہ جُدا تھا اور مُسلمانوں کے حق میں اُن کے اِرادے خطرناک تھے۔ وُہ چاہتے تھے کہ جب بَرِّصغیر کو انگریزوں سے نجات مِلے تو اِس پر صِرف ہندُوؤں کا راج ہو۔

رشید: اچھّا! تو وہ مُسلمانوں کو اپنا غُلام بنا کر رکھنا چاہتے تھے!

والِدہ: بالکل یہی بات تھی۔ ہندوؤں کا یہی رِوّیہ پاکستان کی تجویز کے اہم اسباب میں سے ایک سَبَب تھا۔

رشید: کیا واقعی ہندُوؤں کا سُلوک مُسلمانوں سے اچھّا نہ تھا؟

والِدہ: اِس کا ثبُوت تو اُسی وقت مِل گیا تھا جب ۱۹۳۷ء میں نئے آئین کے مطابِق چھ صُوبوں میں کانگریسی حکُومتیں قائم ہُوئی تھیں۔

رشید: کانگریسی حکومت سے کیا مُراد ہے؟

والدہ: کانگریس برِّصغیر کی ایک سیاسی جماعت تھی جس میں ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ گویا کانگریسی حکومت سے مُراد ہندو حکومت ہوئی۔

رشید: تو کانگریسی حکومت نے کیا کیا؟

والدہ: اُنھوں نے اپنے صُوبوں میں مُسلمانوں کو وزارتوں میں شامل کرنے سے انکار کر دیا۔ ہندو مُسلم فسادات کرائے اور مُسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ "بندے ماترم" کے گیت کو قومی ترانہ قرار دیا۔ اِس گیت میں مُسلمانوں کے مذہب اور تہذیب پر ناپاک حملے کیے گئے تھے۔ پھر اُردو کی بجائے ہندی کو رائج کرنے کی زبردست مُہم چلائی۔ ہندوؤں کی اِس تنگ نظری نے مُسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ مذہب اور تہذیب کی حفاظت اور فروغ کی خاطر برِّصغیر میں ایک الگ مُلک حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

مُسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ ہندو اُنھیں غُلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں تو اُنھوں نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کر لی اور مُسلم لیگ کو نئے سِرے سے زندہ کیا۔ اُس وقت مُسلم لیگ کے صدر قائدِاعظم محمّد علی جناحؒ تھے۔ آپ نے مُلک بھر کے مُسلمانوں کو مُسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کیا اور نعرہ لگایا کہ مُسلمان قوم ہندو قوم سے الگ ہے۔ اِس لیے مُسلمانوں کو اپنے مذہب اور روایات کی حفاظت کے لیے الگ وطن مِلنا چاہیے۔

رشید: مذہب کے علاوہ مُسلمانوں اور ہندوؤں میں کونسی باتیں مختلف ہیں؟

والدہ: بیٹا! ہماری پیدائش، شادی، موت وغیرہ کی رسمیں ہندوؤں سے قطعی طور پر مُختلف ہیں۔ ہمارے تہواروں کے طور طریقے بھی اُن سے الگ ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم ایک خُدا کے پرستار ہیں اور وہ سینکڑوں بُتوں کو پُوجتے ہیں۔ پھر ہم اِنسانی مُساوات کے قائل ہیں اور وہ ذات پات اور چھوت چھات کے چکّروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا ہم اُن کے ساتھ کِس طرح رہ سکتے تھے۔

رشید: تو ــــ یہ خُوبصُورت مینارِ پاکستان اِسی مُطالبے کی یادگار ہے!

والِدہ: ہاں! جس پارک میں یہ مینار تعمیر کِیا گیا ہے اُس وقت اس کا نام "منٹو پارک" تھا۔ اب اِسے "اقبال پارک" کہتے ہیں۔ اِسی پارک میں ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو قائدِ اعظمؒ کی زیرِ صدارت مُسلم لیگ کا اجلاس ہُوا تھا جس میں قراردادِ پاکستان منظُور ہُوئی تھی۔

رشید: اس کے بعد کیا ہُوا ابّا جان؟

والِدہ: اس کے بعد برِّصغیر کے مُسلمانوں کا صِرف ایک ہی مقصد رہ گیا یعنی پاکستان حاصل کِیا جائے۔ اِس مَقصَد کو حاصِل کرنا آسان نہیں تھا۔ مُسلمانوں پر ظُلم و سِتَم کے پہاڑ توڑے گئے لیکن اُنھوں نے قائدِ اعظمؒ کی قیادت میں تمام مُشکِلات کا ثابت قدمی سے مُقابلہ کِیا۔ آخر ۱۹۴۶ء کے اِنتخابات میں مُسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی حاصِل ہُوئی اور اب انگریزوں کو یقین ہوگیا کہ پاکستان کا مُطالبہ برِّصغیر کے دس کروڑ اِنسانوں کا مُطالبہ ہے اور اِسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چُنانچہ اس مُطالبے کے سامنے انگریز اور ہندو دونوں نے گھُٹنے ٹیک دیے اور ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان قائم ہو گیا۔

رشید: تو گویا یومِ اِستقلال قیامِ پاکستان اور یومِ آزادی کی یاد تازہ کرنے کے لیے مناتے ہیں۔

والِدہ: صِرف یہی نہیں رشید میاں! ہم یومِ اِستقلال اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کرنے کے لیے مناتے ہیں۔ کہ اُس نے ہمیں آزادی کی نعمت سے نوازا اور ایک خُوبصُورت آزاد وَطَن عطا کیا۔ ہم یہ دِن اس لیے بھی مناتے ہیں کہ اُن ہستیوں کی یاد تازہ کریں اور اُن کی خِدمت میں عَقیدت کا نذرانہ پیش کریں جنھوں نے یہ آزاد وَطَن حاصِل کرنے کے لیے جانوں کی قُربانیاں دیں۔ اس دِن کے منانے کا ایک بڑا مَقصَد یہ بھی ہے کہ ہم اُس عَزم کو تازہ کریں جس کے لیے ہم نے یہ وَطَن حاصِل کیا تھا اور عہد کریں کہ ہم اس کی ترقّی، سربُلندی اور آزادی کے لیے ہر طرح کی قُربانی دیں گے۔

رشید: شکریہ امّی جان! آج مُجھے بہُت مُفید معلُومات ملی ہیں۔ اب میں پورے جذبے سے آج کی تقریبات میں شریک ہوں گا۔

والِدہ: انشاءاللہ ضرُور! ہم آج رات چراغاں دیکھنے بھی جائیں گے۔

مشق

۱۔ یومِ استقلال کی صبح توپیں کیوں چلائی جاتی ہیں ؟

۲۔ علامہ اقبالؒ نے پاکستان کا تصوّر کب اور کہاں پیش کیا ؟

۳۔ مُسلمان اور ہندُو کے مذہب اور تہذیب میں کیا فرق ہے ؟

۴۔ بَرِّصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا مُطالبہ کیوں کیا ؟

۵۔ دُرست تلفّظ کے مُطابِق اِعراب لگائیے۔ معا۔ تقریب۔ سرورق۔ استقلال۔ مہم۔ عقیدت۔

۶۔ دُرست جواب کا انتخاب کیجیے۔ (یومِ اِستقلال۔ یومِ پاکستان، یومِ دِفاع)

(ا) ۱۴ ر اگست کو ہم کونسا قومی دِن مناتے ہیں ؟

(ب) ۶ ر ستمبر کو ہم کون سا قومی دِن مناتے ہیں؟

(ج) ۲۳ ر مارچ کو ہم کون سا قومی دِن مناتے ہیں؟

(د) قرار دادِ پاکستان کِس سال منظور ہُوئی ؟ (۱۹۴۷ء میں ، ۱۹۴۳ء میں ، ۱۹۴۰ء میں)

۷۔ مندرجہ ذیل عبارت پر غور کیجیے:۔

"دِیانت اور اَمانت اخلاقِ حسنہ میں شُمار ہوتے ہیں۔ امین کا لفظ بھی امانت ہی سے بنا ہے۔ یہ ایسی صِفَت ہے جس کے سَبَب اِنسان کو مُعاشرے میں اچھّی نِگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خُدا تعالیٰ بھی اَمانت اور دِیانت کو پسند کرتا ہے۔"

اِس عبارت میں ہر جُملے کے مکمّل ہونے پر ایک چھوٹی سی لکیر (۔) پڑی ہُوئی ہے۔ یہ لکیر "وقفِ تام" یا "ختمہ" کہلاتی ہے۔ وقفِ تام یا ختمہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جُملہ مکمّل ہو گیا یا ایک بات کا بیان پُورا ہو گیا۔ آپ مندرجہ ذیل عبارت میں صحیح جگہ پر وقفِ تام کی علامت لگائیے۔

نعیم اور سلیم دو دوست ہیں دونوں گاؤں میں رہتے ہیں اُن کے گھر بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں دونوں ایک ہی جماعت میں پڑھتے ہیں دونوں اکٹھے سکول جاتے ہیں سکول سے واپس آکر اکٹھے سکول کا کام کرتے ہیں

اپنا پرچم ایک

اپنا رستہ ، اپنی منزل ، اپنی دُھوپ اور چھاؤں ایک
خُوشیاں سانجھی ، آنسو سانجھے ، نگری گاؤں گاؤں ایک
راوی ، جہلم ، سندھ ، چناب
اپنے ساز ، اپنے مضراب
پیار کا دریا ایک ہمارا پیاس کی شبنم ایک ہے
اپنا پرچم ایک اپنا قائدِ اعظم ایک ہے
سبز ہرے میدانوں میں
بھاگ بھرے کھلیانوں میں
آس کی راس رچائیں ہم
اپنا پرچم ایک اپنا قائدِ اعظم ایک ہے
نوبت باجے ڈم ڈم ڈم
تیز قدم تیز قدم
پیار کا دریا ایک ہمارا پیاس کی شبنم ایک ہے
اپنا پرچم ایک اپنا قائدِ اعظم ایک ہے

(سیّد ضمیر جعفری)

مشق

۱۔ اچھا گانے والے بچّے یہ ترانہ ترنّم کے ساتھ پڑھیں اور باقی بچّے ان کے ساتھ مل کر گائیں۔
۲۔ اگر اِس ترانے کا کیسٹ مل سکے تو بچّوں کو سُنایا جائے۔

اُمُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مُبارک نام سے سب مُسلمان واقف ہیں۔ آپ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کی بیٹی ہیں۔ آپ اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد حُضُور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عقد میں آئیں۔

حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی نیک سیرت اور رحم دِل تھیں۔ آپ نے اِسلام کی اشاعت کے سِلسلے میں حُضُور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ہاتھ بٹایا۔ حُضُور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک مرتبہ آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا "اگر تم جنّت میں میری بیوی بننا چاہتی ہو تو اِس قدر زُہد اِختیار کرو کہ کل کے لیے سامانِ خوراک جمع کر کے نہ رکھو، بلکہ زائد خوراک خیرات کر دو۔" حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا ہی کیا اور دنیا کی دولت کو کبھی دِین پر ترجیح نہیں دی۔

اِسلامی جنگوں میں حُضُور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ازواج کو شریک ہونے کا موقع مِلتا رہا۔ چُنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جنگِ اُحد میں اِسلامی لشکر کے ساتھ جنگی خدمات انجام دیں۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے پہلے جنگِ اُحد میں شریک ہُوئیں۔ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمِّ سلمہؓ کو مَیں نے دیکھا کہ وہ پائنچے چڑھائے ہُوئے مَشک بھر بھر کر پانی لاتیں اور زخمیوں کو پلاتیں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حُضُور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ گیارہ سال تک زندگی بسر کی۔ ان گیارہ سالوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مِثالی بیوی کی طرح حُضُور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی فرمانبردار رہیں۔ آپؐ بھی اُنھیں محبوب رکھتے تھے اور ان کا بہت خیال فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حُضُور نبی کریمؐ کے مزاج مبارک سے زیادہ واقف تصور کی جاتی ہیں۔ اکثر خانۂ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں سَتّو یا بکری کے دُودھ

کے علاوہ کچھ نہ ہوتا مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان پر ہفتے گزار دیتیں اور منہ کا مزہ بدلنے کے لیے کبھی کسی دوسری چیز کی فرمائش نہ کرتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وصال کے بعد سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام کی تبلیغ کو اپنا شعار بنا لیا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد تقریباً سینتالیس سال تک زندہ رہیں۔ اگر کوئی مسلمان حضور کے متعلق کوئی بات پوچھتا تو آپ بڑی تفصیل کے ساتھ سمجھا دیتیں۔ آپ بہت سی حدیثوں کی راوی ہیں۔ لوگ اکثر دینی مسائل کے بارے میں پوچھتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ فرماتے ہیں :۔

"جب ہمیں کوئی مشکل پیش آتی تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کرتے اور وہ اپنی معلومات سے ہم کو تسلّی بخش جواب دیتیں"۔

حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی بیوگی کی تمام عمر اشاعتِ اسلام اور فروغِ دین میں بسر کی۔ وہ بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی امداد فرماتیں اور انھیں دین پر عمل کرنے کی ہدایت کرتیں۔ ایک مرتبہ آپ روزے سے تھیں۔ ایک مسکین عورت آئی اور سوال کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کنیز سے فرمایا :

"اسے روٹی دے دو"۔ کنیز نے مسکین عورت کو روٹی دے دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا :

"میں نے روٹی اس عورت کو دے دی ہے۔ اب آپ روزہ کس چیز سے افطار کریں گی؟"

حضرت عائشہ رضؓ بولیں "اللہ مالک ہے"۔

شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھیج دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کنیز کو بُلا کر کہا :۔

"لے کھا۔ یہ تیری روٹی سے بہتر ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غلاموں کو آزاد کروانے کا بہت شوق تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے ستّر غلام آزاد کیے۔

آپ کو عورتوں سے خاص طور پر ہمدردی تھی۔ عرب کی عورتیں آپ کے پاس آکر اپنا

حال بیان کرتیں اور آپ اُن کی حاجت روائی کے لیے حُضُور صلّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ سے سفارش فرماتیں ۔ آپ نے سڑسٹھ سال کی عُمر پائی اور ۵۸ ھ میں وفات پائی ۔ اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عَنہا کی زِندگی مُسلمان عورتوں کے لیے ایک مِثال کی حیثیت رکھتی ہے۔

مشق

۱۔ حضرت عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کون تھیں ؟

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عَنہا نے بیوہ ہونے کے بعد اِسلام کی کیا خدمت کی ؟

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عَنہا کی سخاوت کا کوئی واقعہ بیان کیجیے ۔

۴۔ جُملوں میں استعمال کریں۔

بات چیت ۔ خاصی ۔ ہاتھ بٹانا ۔ ترجیح دینا ۔ زیربار ۔ بُرا بھلا کہنا ۔ نیک سیرت ۔ تبلیغ ۔ فرمائش ۔

۵۔ درج ذیل جُملوں کو درُست کیجیے ۔

(ا) گھر میں دِین داری کی ماحول تھی ۔

(ب) گھر میں عِلم و فضل کی چرچا تھی ۔

(ج) غُلام نے حُکم کا تعمیل کیا ۔

(د) عورتیں آپ کے پاس آکر اپنی حال بیان کرتی ۔

۶۔ درُست تلفّظ کے مُطابق اِعراب لگائیے ۔

ام المومنین ۔ زہد ۔ ترجیح ۔ ستو ۔ شعار ۔ فروغ ۔ افطار ۔ کنیز ۔ فرمائش ۔ اشاعت ۔ عقد ۔ انتقال ۔

۷۔ جمع کے واحد اور واحد کے جمع لکھیے ۔

خِدمات ۔ مُشکل ۔ تفصیل ۔ موقع ۔ مسکین ۔

۸۔ آپ جانتے ہیں اسمِ جامد اُس اِسم کو کہتے ہیں جس سے نہ کوئی لفظ نکلے اور نہ وہ کسی لفظ سے نکلا ہو ۔ اس سَبَق سے اِسم جامد تلاش کر کے لکھیے ۔

ایک یادگار دِن

۳۰ مئی کو صبح اسمبلی کے دوران ہیڈ ماسٹر صاحب نے اعلان کیا کہ اب کے گرمیوں کی چھٹیاں پندرہ جون کی بجائے یکم جون کو ہوں گی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس طرح اچانک گرمی میں اضافہ ہو گیا تھا، اُسے دیکھ کر ہمیں پہلے ہی سے اِس بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔ ہمارے لیے یہ "خوشِ خبری" اتنی اچانک بھی نہیں تھی۔

اسمبلی کے بعد ہم اپنی اپنی جماعت میں گئے تو وہاں ہمیں چھٹیوں کا کام لکھوایا جانے لگا۔ پھر کچھ دیر کے بعد ہمیں اُستاد صاحب نے کہا "کل چونکہ ایک اہم دِن ہے، پھر ہم لوگ اڑھائی مہینوں کے بعد ملیں گے، اس لیے بہتر ہو گا کہ کل دوپہر کا کھانا ہم لوگ مل کر کھائیں"۔

بچّوں نے بُلند آواز سے اُستاد صاحب کی تائید کی۔

میرے قریب بیٹھے ہُوئے ایک ساتھی نے آہستہ سے میرے کان میں کہا، "کیا سب کا کھانا اُستاد صاحب گھر سے پکا کر لائیں گے"۔

اُستاد صاحب نے جیسے اُس کی بات سُن لی ہو۔ فوراً بتانے لگے، "تُم میں سے ہر ایک بچّہ اپنے ساتھ کم از کم کھانے کی ایک چیز لائے گا اور میں چونکہ تُم سے بڑا ہُوں اِس لیے مَیں دو قِسم کے کھانے لاؤں گا"۔

ہم سب اِس تجویز سے بہُت خُوش ہُوئے۔ دُوسرے دِن بچّوں نے کِتابوں سے زیادہ کھانوں پر توجّہ دی۔ طرح طرح کے برتن نظر آ رہے تھے، جنھیں دیکھ کر بھوک میں اضافہ ہوتا تھا۔ بارہ بجے کے قریب جب کھانے کا مُختصر وقفہ ہُوا تو اُستاد صاحب نے اپنی نگرانی میں دریاں، قالین، ٹاٹ اور چٹائیاں ایک خاص سلیقے سے بِچھوا دیں۔ سب نے اپنا اپنا کھانا وہاں رکھ دیا۔ ہر طرف آلُو کا رائتہ، بینگن کا بھرتہ،

قیمہ، چنے کی دال، آلو، مٹر، لوبیا، بھنڈی، کریلے، پیاز، آملیٹ، پالک، میتھی، گوشت، دالِ ماش، کلیجی کے تِکّے، پکوڑے، سموسے، کھیر، حلوہ، مونگ کی کھچڑی، بھنا ہوا گوشت، مچھلی، شامی کباب اور پلاؤ نظر آ رہے تھے۔ بچّوں کو ترتیب سے بٹھا دیا گیا۔ سب کو آزادی تھی کہ جہاں سے چاہیں کھانا لیں۔ بعض لڑکوں کا خیال تھا کہ یہ کھانے اگر میز پر سجائے جاتے تو زیادہ آسانی رہتی، لیکن ہمارے اُستاد صاحب نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ زمین پر بیٹھ کر ادب سے کھانا ہماری روایت ہے۔

مَیں نے اتنے زیادہ اور طرح طرح کے کھانے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھے تھے لیکن یہ اِتّفاق کی برکت تھی یا ایثار کا جذبہ، ہر بچّے نے اپنی بھوک سے بہُت کم کھایا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اُس کا لایا ہُوا کھانا دُوسرے دوست کھائیں۔

پھر کھانے کے دوران جس تہذیب کا مُظاہرہ کیا گیا وُہ عام طور پر شادی بیاہ کی تقریبات میں نظر نہیں آتا۔ وہاں تو لوگ بھُوکوں کی طرح کھانے پر ٹُوٹ پڑتے ہیں لیکن یہاں ہر بچّہ دُوسرے سے کہہ رہا ہے کہ آپ ذرا پلاؤ تو کھا لیں۔ ذرا حلوہ تو چکھیں۔ بعض بچّے ایک کی بجائے دو چیزیں لائے تھے۔ بعض نے تو اِس سے بھی زیادہ تکلّف سے کام لیا تھا، وہ اپنے ساتھ پھل اور مٹھائی بھی لائے تھے۔

یہ قول بالکل دُرست ہے کہ اِنسان کی شخصیّت کا پتا کھانے کی میز پر چلتا ہے۔ آج اپنے ساتھیوں کو تمیز اور آداب سے کھانا کھاتے دیکھ کر مجُھے فخر کا احساس ہو رہا تھا۔ کھانا تو ہم روز کھاتے ہیں اور پیٹ بھی بھر جاتا ہے لیکن خوشی کا وہ احساس جو آج مجھے ہُوا اس سے پہلے میں اس سے نا آشنا تھا۔ میرا جی چاہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم ہر روز اِسی طرح مِل کر کھائیں۔

کھانا ختم ہُوا تو تمام بچّے ایک دُوسرے سے بغل گیر ہُوئے۔ چھُٹیاں تو ہمیں ہر سال ہوتی ہیں، لیکن جس خُلوص سے اِس دفعہ ہم ایک دُوسرے کو گلے لگا رہے تھے وُہ شاید اڑھائی مہینوں کی جُدائی سے زیادہ اس دعوت کا اثر تھا جو چند لمحے پہلے ہم نے مِل کر کھائی تھی۔

مشق

۱۔ اپنی کسی یادگار تقریب کا حال آسان الفاظ میں لکھیے۔

۲۔ آپ کے تین چار دوست مل کر اسی طرح ایک مختصر سی پکنک کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ کھانے پینے کے سلسلے میں آپ انھیں جو مشورے دینا پسند کریں وہ ترتیب وار لکھیے۔

۳۔ کھانے کے بعد لڑکے ایک دوسرے سے بغل گیر کیوں ہوئے تھے ؟ ۔

۴۔ کھانا کھانے کے آداب پر دو پیرا گراف لکھیں۔

۵۔ سبق کے مطابق جو بات درست ہے اس پر '✓' نشان لگائیے۔

(ا) اُستاد صاحب نے ہر لڑکے سے کھانے کی ایک چیز لانے کو کہا۔

(ب) اُستاد صاحب نے خود بھی کھانے کی ایک چیز لانے کا وعدہ کیا۔

(ج) ہر بچّہ کھانے کی صرف ایک چیز لایا۔ (د) کھانا میزوں پر سجایا گیا۔

(ہ) ہر بچّے نے اپنی بھوک سے بہت کم کھایا۔

(ہ) ہر بچّے نے صرف اپنا لایا ہُوا کھانا کھایا۔

۶۔ جملوں کو درست کیجیے۔ (ا) لوگ بھوکوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

(ب) ایک بچّہ اپنے ساتھ مٹھائی اور پھل بھی لائے تھے۔

(ج) تین بچّہ ایک ایک کھانا لایا تھا۔ (د) سب نے مل کر دعوت کھایا۔

۷۔ اہم دن، مختصر وقفہ۔ کم کھانا۔ لذیذ پھل، چٹپٹے سالن، میں سے اسمِ صفت اور موصوف الگ کریں۔

۸۔ ان لفظوں پر غور کریں "کھانا۔ ہنسنا۔ ملنا، یہ اسم ہیں اور کسی دوسرے لفظ سے نہیں بنے، لیکن ان سے لفظ بن سکتے ہیں۔ مثلاً کھایا۔ کھا۔ کھانے والا۔ ہنسا۔ ہنستا ہے۔ ملا۔ ملنے والا۔ وغیرہ۔ ایسے اِسم کو جو خود کسی لفظ سے نہ بنے لیکن اس سے بہت سے لفظ بن سکیں اور اُس میں زمانے کے تعیّن کے بغیر کسی کام کا کرنا، ہونا یا سہنا پایا جائے اسمِ مَصدر کہتے ہیں۔ یہ بناوٹ کے لحاظ سے اِسم کی دوسری قسم ہے۔ آپ درجِ ذیل میں سے اسمِ جامد اور اسمِ مَصدر الگ الگ کرکے لکھیے۔

سجانا۔ ہاتھی۔ ندی۔ لکھنا۔ قلم۔ کاغذ۔ پڑھنا۔ کتاب۔ آری۔ کاٹنا۔ جاگنا۔ رات۔ آنا۔

چترال

چچّا گُل فروش خان جب بھی ہمارے گھر آتے، ہمیں چترال آنے کی دعوت دیتے۔ ابّا جی بھی چاہتے تھے کہ کچھ دِنوں کے لیے دفتر سے چھٹی لیں اور ہم سب کو ساتھ لے کر کہیں سَیر کے لیے جائیں، لیکن دفتر میں کام زیادہ تھا، اور ابّا جی کام ادھورا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے۔ اِس کے علاوہ ایک بات اَور بھی تھی اور وُہ یہ کہ چترال میں برف باری کی وجہ سے سارے راستے بند تھے، خاص طور پر لواری ٹاپ، جو خُشکی کے راستے چترال تک پُہنچنے کا واحد راستہ ہے، برف میں دفن پڑی تھی۔

ابّا جی جب بھی دفتر سے گھر آتے، ہم باتوں باتوں میں چترال جانے کی بات ضرور چھیڑ دیتے۔ ایک دِن چترال کی باتیں ہو رہی تھیں کہ باجی رضیہ بولیں:

" ابّا جی! اتنے دِن ہو گئے ہیں ہم آپ سے چترال کی باتیں کرتے ہیں لیکن آپ ہم سے یہی کہہ کر بات ختم کر دیتے ہیں کہ سردیوں کا موسم ہے، چترال کی آب و ہَوا اِس موسم میں سخت سرد ہوتی ہے، وہاں برف باری ہو رہی ہے اور اِس موسم میں چترال جانے کے سارے راستے بند ہیں۔ اب تو سردیوں کا موسم ختم ہو چُکا ہے۔ راستے بھی صاف ہو چُکے ہوں گے۔"

"ہاں بیٹی!" ابّا جی نے باجی رضیہ کی بات سُن کر مُسکراتے ہُوئے جواب دیا۔"میں نے چترال جانے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ چند دِن میں چُھٹّی لے لوں گا۔"

ابّا جی کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ چچا اسلم آ گئے اور ابّا جی کے ساتھ باتوں میں مصرُوف ہو گئے۔

ایک دِن ابّاجی گھر آئے تو بتایا کہ اُنھوں نے چُھٹّی لے لی ہے اور ہم کل چترال جائیں گے۔ اگلے روز ہم صبح سویرے چترال کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہم نوشہرہ کے راستے مردان پُہنچے۔ سڑک کے دونوں جانب سرسبز کھیت اور پھلوں کے باغات دُور دُور تک پھیلے ہُوئے تھے۔ ہم نے نوشہرہ میں کپڑے، گھی اور تمباکو وغیرہ کے کارخانے اور مردان میں چینی کے کارخانے دیکھے۔ مردان میں تھوڑی دیر رُک کر ہم نے چائے پی اور پھر سوات کی طرف روانہ ہو گئے۔ درگئی سے مالاکنڈ تک گیارہ کلومیٹر کا راستہ بُہت پُرپیچ تھا۔ سڑک بل کھاتی ہُوئی مُسلسل بلندیوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مالاکنڈ پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ دائیں طرف نیچے واقع جَبّن اور درگئی میں پانی سے بجلی بنائی جاتی ہے۔ بائیں طرف بٹ خیلہ تک سڑک نشیب میں اُترتی ہے۔ بٹ خیلہ دریائے سوات کے کنارے خُوبصُورت، وسیع اور سرسبز وادی میں واقع ہے۔ بٹ خیلہ سے ہم لوگ گزر کر چکدرہ کے قریب پہنچے۔ وہاں سڑک دو راستوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک راستہ سوات کو اور دُوسرا دِیر کو جاتا ہے۔ ہماری جیپ دِیر کو جانے والے راستے پر مُڑ گئی اور ہم دریائے سوات پر بنے ہُوئے پُل پر سے گزر کر چکدرہ جا پُہنچے۔

چکدرہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر تیمرگرہ ہے۔ یہ شہر دریا کے کنارے واقع ہے۔ یہاں پھلوں کے بُہت سے باغات ہیں۔ تیمرگرہ سے دِیر تقریبًا اسّی کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سڑک دریائے پنجکوڑہ کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ یہ سڑک خاصی پُرپیچ ہے۔ دِیر سے لواری ٹاپ تک چڑھائی ہے۔ چترال کو سڑک کے راستے دِیر بلکہ پاکستان سے ملانے والا یہ درّہ لواری ٹاپ کہلاتا ہے۔ یہ درّہ سال میں صرف تین چار مہینے آمد و رَفت کے قابل ہوتا ہے اور باقی عرصہ برف میں ڈھکا رہتا ہے۔ سڑک یہاں سطحِ سمندر سے دس ہزار پانچ سو فُٹ کی بُلندی سے گزرتی ہے۔

"امی جان. اس کو چترال کیوں کہتے ہیں؟" جیسے ہی ہم لواری کے درّے سے گزر کر ضلع چترال کی حدود میں داخل ہُوئے باجی رضیہ نے سوال کیا۔ امی جان نے بتایا۔ "بیٹی! لفظ چترال دراصل چھترار ہے جو اس ضلع کا صدر مقام ہے۔ یہ نام آہستہ آہستہ بگڑ کر

چترال ہو گیا۔" اس وقت چترال کی سر سبز وادیاں اور شفاف ندّیاں خوب صورت منظر پیش کر رہی تھیں۔

"بیٹی! چترال ہمارے ملک پاکستان کے صوبہ سرحد کا شمالی حصّہ ہے۔" ابّا جی نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "اِس کے شمال مغرب میں افغانستان، مشرق میں گلگت ایجنسی اور جنوب میں دِیر اور سوات واقع ہیں۔"

"ابّا جی، اس پہاڑ کا کیا نام ہے؟" مَیں نے سوال کیا۔

"کوہ ہندوکُش۔" ابّا جی نے مختصر سا جواب دیا۔

"اِس میں تو بہُت سی مشہور چوٹیاں ہیں ابّا جی؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"ہاں بیٹے، چترال کے پہاڑوں کی تقریباً چالیس چوٹیاں ایسی ہیں جو سطح سمندر سے سات ہزار میٹر سے زیادہ بُلند ہیں۔ ایک مشہُور چوٹی وُہ سامنے نظر آ رہی ہے۔" ابّا جی نے سامنے ایک برف پوش چوٹی کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ "اس کا نام تُم نے سُنا ہو گا، ترچ میر، یہ ۷۷۰۶ میٹر بُلند ہے۔ یہ چترال کی سب سے اُونچی چوٹی ہے اور اس چوٹی کو چترال کے لوگ پریوں کا محل کہتے ہیں۔"

یہی باتیں کرتے ہُوئے ہم چترال کی زرخیز وادیوں میں داخل ہو گئے۔ جس طرف نظر اُٹھتی ندّی نالوں کا جال پھیلا ہُوا دکھائی دیتا۔ اِن وادیوں میں انار، سیب، ناشپاتی، شہتوت، انجیر اور خوبانی کے باغات پھیلے ہُوئے تھے۔

"کِتنے خوب صورت باغ ہیں!" باجی رضیہ کے مُنہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نِکل گئے۔

"ہاں بیٹی" امی جان نے کہا، "اِن زرخیز وادیوں میں گندم، جَو، مکئی، چاول اور باجرہ بھی کاشت کیا جاتا ہے۔"

دُور پہاڑ کے پیچھے سُورج ڈُوب رہا تھا۔ چترال شہر کی حدُود میں ہماری جیپ جیسے ہی آبادی میں داخل ہُوئی، کسی نے ابّا جی کا نام لے کر پُکارا۔ آواز جانی پہچانی سی تھی۔ جیپ رُک گئی۔ مُڑ کر دیکھا تو چچا گُل فروش خان ایک دُکان سے نکل کر ہماری طرف

چلے آ رہے تھے، جیسے وہ ہمارے ہی انتظار میں بیٹھے ہوں۔ جیپ کے پاس آکر اُنھوں نے ابا جی سے ہاتھ ملایا، ہمیں پیار کیا اور پھر ہمارے ساتھ جیپ میں سوار ہو گئے۔

"یہ کون سی جگہ ہے چچا؟" باجی رضیہ نے پوچھا۔

"یہ چترال کا بازار ہے، ہے تو یہ ایک ہی بازار لیکن اِس کے مُختلف حِصّوں کے مختلف نام ہیں۔ اِس وقت ہم نیو بازار سے گزر رہے ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی شاہی بازار اور اس کے بعد اتالیق بازار آئے گا۔" گل فروش چچا نے ایک ہی سانس میں جواب دیا۔

بازار میں کچھ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ اِن دُکانوں میں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ چترالی ٹوپیاں، چغے، کمبل، اُونی کپڑے اور چترال کی بنی ہوئی گھریلو استعمال کی دُوسری چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے بازار ختم ہو گیا اور جیپ ایک کھلے میدان میں داخل ہو گئی۔

"یہ پولو گراؤنڈ ہے۔" اس سے پہلے کہ باجی رضیہ یا میں کوئی نیا سوال کرتے، چچا گل فروش خان نے ہمیں بتایا۔

"اور یہ چترال شہر کے تقریباً وسط میں ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ پولو چترال کے لوگوں کا بہت ہی پسندیدہ کھیل ہے۔"

"چترال کے لوگ اور کس چیز کو پسند کرتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"پولو کھیلنے کے علاوہ چترال کے باشندے اپنے فارغ وقت میں اور مختلف تہواروں کے موقعوں پر موسیقی سے دِل بہلاتے ہیں۔ اپنے روایتی ناچ ناچتے ہیں۔" چچا گل فروش نے جواب دیا۔

اِتنے میں بُلند و بالا پہاڑوں کے درمیان اِس حسین وادی میں اذان کی آواز گونجی۔ میری نظر سامنے مسجد کے خوب صورت میناروں پر جا پڑی۔ میناروں کے قریب ہی ایک پرانی عمارت بھی دکھائی دی۔ اب ہم ایک بہت ہی خوب صورت اور شاندار مسجد کے قریب سے گزر رہے تھے۔

" یہ چترال کی شاہی مسجد ہے"۔ چچا گُل فروش خان بولے، " اور اس کے آگے شاہی قلعہ ہے جس میں سابق حکمرانوں کے محلات ہیں"۔

تھوڑی دیر بعد چچا گُل فروش خان نے اباجی کو ایک گھر کے سامنے جیپ روکنے کو کہا۔ جیپ رُک گئی۔ ہم چچا گُل فروش خان کے گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ جیپ سے اُترے۔ چُونکہ دن بھر کے تھکے ہُوئے تھے۔ اِس لیے مُنہ ہاتھ دھونے کے بعد کھانا کھایا اور سو گئے۔

ہم چترال میں پندرہ دن ٹھہرے۔ اس عرصے میں چچا گُل فروش نے ہمیں مستوج، بونی شاندور، کالاش، دروش، گرم چشمہ اور عیون کی وادیوں میں گاؤں گاؤں کی سَیر کروائی۔ ہر طرف آلودگی سے پاک، صاف سُتھری ہَوا اور قُدرتی ماحول تھا۔ طبیعت باغ باغ ہو رہی تھی۔ میرے توجہ دلانے پر امی جان نے کہا: " بیٹا! اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک مکمل نظام کے تحت خلق کیا ہے اور اس نظام میں ایک توازن برقرار رکھا ہے۔ آبادی میں برق رفتار اضافے کے باعث قُدرتی ماحول کا توازن متاثر ہو رہا ہے۔ انسان خُود بھی بہُت حد تک اس نظام میں مداخلت کر کے اسے بگاڑنے کا باعث بن رہا ہے۔ قدرتی ماحول کے توازن کے بگڑنے سے انسان طرح طرح کی مُشکلات اور مسائل میں گھرتا جا رہا ہے۔ ان وادیوں کا حُسن اس لیے برقرار ہے کہ یہاں ابھی قدرتی ماحول کا توازن بہُت حد تک قائم ہے"۔ پندرہ دن چترال میں گزار کر ہم ان جنّت نظیر وادیوں کی یادیں لیے ہُوئے اباجی کے ساتھ اپنے شہر لوٹ آئے۔

مشق

۱۔ سردیوں کے مَوسم میں چترال جانے کا کون سا راستہ بند ہوتا ہے اور کیوں؟

۲۔ آپ نے پاکستان کے کسی علاقے کی سَیر کی ہو گی، اس سَیر کا حال لکھیے؟

۳۔ چترال میں کون کون سی چیزیں پیدا ہوتی ہیں؟

۴۔ چترال کے لوگ فارغ وقت میں اور تہواروں کے موقع پر کیا کرتے ہیں؟

۵۔ چترال کے لوگ پریوں کا محل کِسے کہتے ہیں؟

۶ مندرجہ ذیل الفاظ کو اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے۔

روایتی۔ پسندیدہ۔ سابق۔ تند و تیز۔ تہوار۔ دُشوار گزار۔ بُلند و بالا۔

۷۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں جمع کے واحد اور واحد کے جمع لکھیے۔

محلات۔ تہواروں۔ وادیاں۔ عمارت۔ یادیں۔ میناروں۔ باغات۔ مسائل۔ مشکلات۔

بارش

آج گرمی ہے بہت کم، دیکھو
مینہ برستا ہے چھما چھم، دیکھو

باغ میں اب نہ کہیں خاک نہ دھول
دھل گئے پیڑوں کے پتّے، پھل پھول

مینہ برستے ہی پڑی جان میں جان
کیسے چوپال میں خوش خوش ہیں کسان

کوئی اب کیوں نظر آئے گا اداس
ڈھور ڈنگر کے لیے گھاس ہی گھاس

سکھ جو بارش سے ملا، دکھ بھولے
پڑ گئے گاؤں میں گھر گھر جھولے

شور کوکو کا ہے جنگل جنگل
آم کے پیڑ پہ بولی کوئل

مینہ کا پانی ہے وہ امرت دھارا
جس سے سنسار مگن ہے سارا

ندیاں اس سے بھری رہتی ہیں
کھیتیاں اس سے ہری رہتی ہیں

اِسی پانی سے پنپتا ہے اناج
ورنہ پھر دھوپ میں تپتا ہے اناج

(رعنا اکبر آبادی)

مَشق

۱۔ اس نظم میں بارش کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اُسے اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۲۔ ساتویں شعر میں مینہ کے پانی کو کیا کہا گیا ہے؟

۳۔ اس نظم میں کوئل کی آواز کوکو دی گئی ہے۔ آپ مندرجہ ذیل پرندوں کی آوازیں لکھیں۔
چِڑیا ۔ مُرغا ۔ کوّا ۔ پپیہا ۔

۴۔ دُرست تلفّظ کے مُطابق اعراب لگائیے:۔
مینہ ۔ ڈھور ڈنگر ۔ امرت ۔ سنسار ۔ پنپنا ۔ مگن ۔

حضرت خالد بن ولیدؓ

اسلامی فوج کا ہرمز سے مقابلہ ہونے والا تھا۔ ہرمز ایران کے صوبے کا گورنر تھا۔ اسلامی فوج کے سپہ سالار نے گورنر ہرمز کو خط بھیجا کہ یا تو اسلام قبول کر لو، یا جزیہ دینے پر آمادہ ہو جاؤ۔ ہرمز کو اپنی فوجی طاقت پر ناز تھا۔ وہ اہلِ عرب کی ٹوٹی پھوٹی تلواروں کو خاطر میں کب لاتا تھا۔ اُس نے اسلامی فوج کا راستہ روکنے کے لیے فوج کو پیش قدمی کا حکم دیا اور دریا پر قبضہ کر لیا تاکہ مسلمانوں کو پینے کا پانی نہ مِل سکے اور وہ پیاس کے ہاتھوں تنگ آکر بھاگ جائیں۔

اِسلامی لشکر کے سپہ سالار نے سب سے پہلے دریا کو دُشمن کے قبضے سے چُھڑانے کا عزم کیا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ہرمز نے اِسلامی سپہ سالار کو کہلا بھیجا کہ خلقِ خدا کا خُون ناحق کیوں کرتے ہو۔ لڑنے کا اِرادہ ہے تو آؤ ہم دونوں لڑیں تاکہ معلوم ہو کہ کون غالب ہے اور کون مغلوب۔ مسلمانوں کے سپہ سالار نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کر لی اور جواب بھیجا کہ میں ہر طرح تیار ہوں۔ ہرمز بہترین ہتھیاروں سے لیس ہو کر آیا۔ اُس کو اپنی تلوار اور اپنی جسمانی طاقت پر پُورا بھروسہ تھا۔

دو افراد دریا کے کنارے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ایک اِسلام کا جان نثار تھا اور دُوسرا مُنکر۔ دونوں طرف کی فوجیں کھڑی تماشا دیکھ رہی تھیں۔ ہرمز نے اسلامی سپہ سالار پر پے در پے وار کیے، مگر اسلام کا یہ سپاہی ہر بار اپنی ڈھال بڑھا کر دُشمن کا وار بڑی خُوبصُورتی سے روک لیتا تھا۔ اچانک اُسے موقع مِلا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اُس نے دُشمن کو مَوت کے گھاٹ اُتار دیا۔ دُشمن کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور بڑی آسانی سے اسلامی فوج نے معرکہ سر کر لیا۔ یہ بہادر سپہ سالار جہاں جاتا تھا، کامیابی اُس کے قدم چُومتی تھی۔ اِسلام کا یہ نامور جرنیل خالدِ بن ولیدؓ تھا۔

خالد بن ولیدؓ اللہ کی فوج کے بہادر سپاہی تھے۔ اُنھوں نے اسلام کی حفاظت اور فروغ کی خاطر ہر جنگ میں دادِ شجاعت دی لیکن جنگِ موتہ میں آپ نے جس بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا وُہ رہتی دُنیا تک تاریخ میں سُنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔

ہمارے پیارے رسُولؐ جب مُلکِ عرب کے اندر دُشمنوں پر قابُو پا چکے تو آپؐ نے ایران اور رُوم کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی۔ رسولِ اکرمؐ نے حارثؓ کو دعوتی پیغام دے کر بصرہ کی طرف روانہ کیا، مگر موتہ کے مقام پر وہاں کے حاکم نے حارثؓ کو گرفتار کر لیا اور بعد میں شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے مُسلمانوں کو بڑا صَدمہ پُہنچا۔ رسولِ اکرم صلیَّ اللہ عَلیہِ وَ آلہٖ وَسَلَّم نے دُشمن کو سزا دینے کے لیے تین ہزار سپاہیوں پر مُشتمل اسلامی لشکر زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں بھیجا اور حُکم فرمایا کہ زید بن حارثہؓ کی شہادت کے بعد جعفرؓ ابن ابی طالب اس لشکر کے سردار ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو گئے تو عبداللہؓ بن رواحہ سپہ سالار ہوں گے اور وہ بھی شہادت کا جام نوش کر گئے تو پھر لشکر اپنے سپہ سالار کا خُود انتخاب کرے۔ اس لشکر نے موتہ کے مقام پر دُشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مُسلمانوں کی تعداد دُشمن کی ایک لاکھ فوج کے مُقابلہ میں بہُت کم تھی۔ دورانِ جنگ حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہؓ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تو مُسلمانوں نے مُتفقّہ طور پر حضرت خالد بن ولیدؓ کو اپنا سپہ سالار مُنتخب کیا۔ یہ آپ کا اسلامی لشکر کی طرف سے جنگ میں حِصّہ لینے کا پہلا موقع تھا۔ آپ نے بے مثال جنگ اور بہترین سپہ سالاری کا مُظاہرہ کیا۔ مدینہ مُنوّرہ میں رسولِ اکرمؐ کو ان باتوں کا الہام ہوتا رہا۔ حضُورؐ نے مُسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا تمُھارے لشکر کی یہ خبر ہے کہ اُنھوں نے دُشمن کا مُقابلہ کیا۔ زیدؓ شہید ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بخش دیا۔ پھر جعفرؓ نے اسلامی عَلَم اپنے ہاتھ میں لیا۔ دُشمنوں نے اُسے گھیر لیا، یہاں تک کہ وُہ بھی شہید ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی بخش دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے اسلامی جھنڈا اُٹھا لیا۔ وہ بھی دُشمنوں کے ساتھ لڑتا ہُوا شہید ہُوا۔ یہ سب کے سب جنّت میں اُٹھا لیے گئے ہیں اور زرّیں تخت پر بیٹھے ہیں۔

اِن تینوں کے بعد اِسلامی جھنڈے کو سیفٌ مِن سیُوف اللہ یعنی خالد بن ولیدؓ نے لیا اور جنگ کی بگڑی ہُوئی صُورت کو سنبھالا۔

اُس دِن کے بعد سے خالِد بن ولیدؓ سیفُ اللہ کے نام سے بھی پُکارے جانے لگے۔ آپ کی زیرِ سرکردگی مُسلمانوں نے یہ جنگ جیت لی اور جب اسلامی لشکر فتح یاب ہو کر مدینہ لوٹا تو رسولِ اکرمؐ دوسرے صحابہؓ کو اپنے ہمراہ لے کر اسلامی لشکر کے استقبال کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ یہ اعزاز "سیفُ اللہ" کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہُوا۔

مَشق

۱۔ "سیفٌ مِن سیُوف اللہ" کا مطلب ہے اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار۔

۲۔ خالد بن ولیدؓ کون تھے ؟

۳۔ خالد بن ولیدؓ کو سیفُ اللہ کب کہا گیا ؟

۴۔ خالد بن ولیدؓ کی بہادری کا کوئی واقعہ لکھیے۔

۵۔ جو مجاہد جنگ میں کامیاب ہو کر واپس لوٹے، اُسے کیا کہتے ہیں ؟

۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ و محاورات کو اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے ؟

جوہر دِکھانا۔ جان کی بازی لگانا۔ نوبت آنا۔ سر پر کفن باندھنا۔ موت کے گھاٹ اُتارنا۔ جامِ شہادت نوش کرنا۔

۷۔ جو الفاظ آپس میں ہم معنی ہوں مُترادف کہلاتے ہیں۔ مثلاً خُوب ــــ اچھا ۔ قبُول ــــ منظُور۔ ان الفاظ کے مُترادف لکھیے: نور، ہمراہ، جماعت، صداقت، شجاعت، جبر۔

۸۔ دُرست جواب کا اِنتخاب کیجیے۔

(ا) ایران کے کس صوبائی گورنر نے حضرت خالِدؓ کو اپنے ساتھ مقابلے کی دعوت دی تھی ؟ (رُستم ۔ قیصر ۔ ہرمز)

(ب) حضورؐ نے کس جنگ میں فتح پر حضرت خالدؓ کو سیف اللہ کے نام سے یاد فرمایا (جنگ قادسیہ ۔ جنگ موتہ ۔ جنگ یرموک)

(ج) جنگ موتہ کے لیے حضورؐ نے اسلامی لشکر کا سپہ سالار کسے مقرر فرمایا؟ (حضرت جعفرؓ ۔ حضرت خالدؓ ۔ حضرت زیدؓ)

(د) جنگ موتہ میں تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد کیا تھی؟ (اسی ہزار ایک لاکھ ۔ ایک لاکھ پندرہ ہزار)

۹ ۔ جملوں کو درست کیجیے ۔

(ا) تین ہزار اسلامی سپاہیوں کا لشکر دشمن کے مقابلے پر گئے ۔

(ب) مسلمانوں کا تعداد دشمن کا ایک لاکھ فوج کے مقابلے میں تھوڑا تھا ۔

(ج) مسلمان سپاہیوں نے دشمن کو گھیر لیا ۔ (د) لڑنے کا ارادہ ہے تو آؤ ہم دونوں لڑے ۔

۱۰ ۔ اعراب لگائیے ۔ غالب ۔ مغلوب ۔ منکر ۔ معرکہ ۔ مشتمل ۔ متفقہ ۔ الہام ۔ علم (بہ معنی جھنڈا) ۔ نامور ۔

۱۱ ۔ ان الفاظ پر غور کیجیے ۔ لکھائی ۔ بناوٹ ۔ سجاوٹ ۔ پڑھنے والا ۔ یہ سب اسم ہیں جو کسی دوسرے اسم (مصدر) سے بنے ہیں، لیکن ان سے دوسرے لفظ نہیں بنتے ۔ یہ بناوٹ کے لحاظ سے اسم کی تیسری قسم ہے جسے اسم مشتق کہتے ہیں ۔ آپ مندرجہ ذیل الفاظ سے اسم مشتق الگ کر کے لکھیے ۔

لڑنا ۔ پتھر ۔ لڑائی ۔ سجانے والا ۔ پڑھائی ۔ بیوی ۔ تلوار ۔ زرہ ۔ لکھنے والا ۔

معزّز پیشہ

عامر اور نوید بہُت خُوش تھے اور بہُت شَوق سے سَفر کی تیّاری کر رہے تھے۔ اُن کے ابّا اور امّی نے اُنھیں بتایا تھا کہ وُہ اُنھیں کچُھ دِن کے لیے اُن کے چچا کے پاس گاؤں لے جا رہے ہیں۔ جُمعہ کی صُبح سب گھر والے سامان موٹر میں رکھ کر روانہ ہُوئے۔ راستے میں سڑک کے دونوں طرف لہلہاتے کھیت بڑا خُوبصُورت منظَر پیش کر رہے تھے۔ گندم کی فصل پک چکی تھی اور دیکھنے سے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے زمین پر سونا بکھیر دیا ہو۔ جگہ جگہ کاشت کار مرد اور عورتیں فصل کی کٹائی میں مصرُوف تھے۔

دو گھنٹے کی مُسافت طے کرنے کے بعد سب گاؤں میں پہُنچے تو حامد صاحب اور اُن کے گھر والے بہُت خُوش ہُوئے۔ عامر اور نوید اپنے چچا زاد بھائیوں اشفاق اور فخر کے ساتھ باتوں میں مشغُول ہو گئے۔

عامر کے چچا اپنے گاؤں کے ایک بڑے زمیندار تھے۔ اُن کی کئی ایکڑ زمین تھی جس پر مُختلف پھلوں کے باغات تھے۔ دو ٹیوب ویل تھے جن سے زمینوں کی آبپاشی کی جاتی تھی۔ گندم، گنّا اُن کی زمینوں کی خاص پیداوار تھی۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی سبزی بھی کاشت کی جاتی تھی جو اُن کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھی۔ دُودھ، مکھّن کے لیے بھینسیں رکھی ہُوئی تھیں۔ غرض یہ کہ اُن کا خاندان گاؤں میں نہایت خُوشحال زِندگی بسر کر رہا تھا۔

دُوسرے دِن سب زمینوں پر گئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ گندم کی فصل کٹ چکی ہے۔ کچُھ لوگ تھریشر پر کام کر رہے ہیں۔ عامر نے چچا سے پُوچھا، "چچا جان آپ ابتدا ہی سے زمینداری کرتے ہیں یا پہلے آپ نے ملازمت کی ہے؟"

چچا جان: "نہیں بیٹا۔ میں نے کبھی ملازمت نہیں کی۔ میں نے یہی زراعت کا پیشہ اختیار کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک معزّز پیشہ ہے۔ اس پیشے سے تعلّق رکھنے والا

اپنی ذات کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کے لیے کارآمد ہے اور پھر ہمارا مُلک بھی تو ایک زرعی مُلک ہے جس کی تقریباً ستّر فی صد آبادی کا ذریعہ معاش زراعت ہے"۔

نوید :۔ چچا جان یہ بات تو صحیح ہے لیکن زراعت پیشہ لوگوں کی زندگی تو بڑی کٹھن اور سخت ہوتی ہے"۔

چچا جان ۔ " دیکھو بیٹا۔ محنت ہی میں عظمت ہے۔ محنت ہی سے تو اللہ تعالیٰ کی مخلُوق کو روزی بھی نصیب ہوتی ہے۔ پرندے دانہ چُگ کر پیٹ بھرتے ہیں۔ مویشی چرتے ہیں۔ فصل پکتی ہے تو غریب، امیر، سب کو فائدہ پُہنچتا ہے۔ دُوسری بات یہ ہے کہ جب زمیندار اپنی فصل کو سرسبز و شاداب دیکھتے ہیں تو اُن کے دِل کو حقیقی مسّرت اور خُوشی حاصل ہوتی ہے"۔

سب بچّے بڑی توجّہ سے چچا جان کی باتیں سُن رہے تھے۔ عامر کے والِد محمود نے اپنے بھائی حامد سے پوچھا۔" بھائی جان ! آپ کے پڑوسی رحیم چاچا کا ایک بیٹا تھا۔ اَب نام یاد نہیں آ رہا۔ پچھلی دفعہ جب میں آیا تو اُس سے مُلاقات ہُوئی تھی۔ بڑا ذہین بچّہ تھا۔ وہ آج کل کہاں ہے ؟"

حامد صاحب (کچھ سوچ کر) تم مُشتاق کے بارے میں پُوچھ رہے ہو۔ بھئی اُس نے ایف۔ایس۔سی، کرنے کے بعد زرعی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا ہے۔

محمود صاحب : بہُت خُوب۔ یہ تو بہُت اچھّا کیا۔

حامد صاحب :۔ ان کے والد کی تو خواہش تھی کہ بہُت پڑھ لیا، اب کہیں ملازمت کرے، لیکن میں نے اُسے سمجھایا کہ ذہین بچّہ ہے۔ پڑھنے کا شوق بھی ہے اور پھر پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کر کے اُس کا مستقبل سنْور جائے گا، اس میں ملک و قوم کا بھی فائدہ ہو گا۔ پھر کہیں جا کر مانا۔

فخر :۔ چچا جان یہ پیشہ ورانہ تعلیم کیا ہوتی ہے ؟

حامد صاحب :۔ بیٹا! پیشہ ورانہ تعلیم کا تعلق ایک خاص ہُنر سے ہوتا ہے۔ مثلاً میڈیکل کی تعلیم میں اِنسانی صحت اور علاج معالجے کے بارے میں تربیت دی جاتی ہے ۔

انجنیئرنگ کی تعلیم میں تعمیر اور مشینری وغیرہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ اسی طرح زراعت کی تعلیم میں بھی زراعت سے متعلق جدید معلومات، تحقیقات اور علم کے بارے میں بتایا جاتا ہے، تاکہ ایسے تعلیم یافتہ افراد پیدا ہوں جو کاشت کے سائنسی طریقوں سے واقف ہوں۔ وہ جدید معلومات کاشت کاروں تک پہنچا سکیں تاکہ ان طریقوں کے مطابق کسان تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے زرعی اجناس کی پیداوار میں اضافہ کرسکیں کیونکہ کسی ملک کی زرعی ترقی میں یہی تعلیم ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حامد صاحب کے چھوٹے بیٹے نے ڈھیر ساری تازہ سبزی لاکر رکھ دی اور کہا۔ "جی! امّی جان نے بتایا تھا کہ کچھ سبزیاں گھر لے آنا۔" ان سبزیوں میں ٹماٹر، پیاز، ہری مرچ، مولیاں، بھنڈی اور پودینہ شامل تھا۔

نوید:۔ چچا جان ہمیں تو شہر میں اتنی تازہ سبزیاں نصیب نہیں ہوتیں۔

حامد صاحب:۔ آپ لوگ چاہیں تو آسانی سے تازہ سبزیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس اچھا خاصا بڑا مکان ہے اور اس کے ساتھ بہت سی زمین بھی ہے۔ اگر آپ گھریلو استعمال کے لیے وہاں سبزیاں کاشت کریں تو بچت بھی ہوگی اور مشغلہ بھی رہے گا۔

عامر:۔ لیکن چچا جان ہمیں تو کاشت کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا۔

حامد صاحب:۔ یہ کون سی مشکل بات ہے۔ آپ کے گھر کے ساتھ جو زمین ہے، وہ سبزی کاشت کرنے کے لیے خاصی زرخیز ہے۔ آپ لوگ اُسے کدالوں سے نرم اور ہموار کریں۔ پھر ہلکی سی آب پاشی کر کے چند روز کے لیے چھوڑ دیں کیونکہ یہ نمی سبزیوں کی کامیاب کاشت اور پیداوار کے لیے اشد ضروری ہے۔ اِس کے بعد اس میں دیسی کھاد ڈال دیں۔ جب زمین کاشت کے لیے تیار ہو جائے تو اس میں کیاریاں بنا لیں۔ پھر اپنی پسند کی سبزیوں کے بیج کیاریوں کی منڈیروں کے دونوں طرف مناسب فاصلے سے بو دیں۔ جب بیج اُگ آئیں اور پودے دو تین اِنچ کے ہو جائیں تو اُن سے جڑی بوٹیاں اور فالتو پودے نکال دیں۔ آب پاشی

کے وقت یہ خیال رہے کہ پانی کی سطح منڈیروں سے ذرا نیچی رہے اور صرف رطوبت بیج تک پہنچ سکے تاکہ بیج کے اوپر کی مٹی سخت نہ ہو جائے اور بیج آسانی سے اُگ سکے۔ آپ اپنے گھر میں مولی، شلجم، بھنڈی، مٹر، کدو وغیرہ آسانی سے اُگا سکتے ہیں۔

نوید:۔ چچا جان! کیا سبزیاں صرف بیج بو کر اُگائی جاتی ہیں؟

حامد صاحب: نہیں۔ سبزیاں عام طور پر تین طریقوں سے کاشت کی جاتی ہیں۔ سبزیاں بیج، پنیری یا نباتاتی حصّوں کے ذریعے اُگائی جاتی ہیں۔ جو سبزیاں پنیری اُگا کر کاشت کی جاتی ہیں اُن میں ٹماٹر، سُرخ مرچ، شملہ مرچ، بینگن، پیاز، پھول گوبھی، بند گوبھی وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی کاشت کے لیے اعلیٰ قسم کا بیج بو کر اُن کی پنیری تیّار کی جاتی ہے۔ پھر اُسے کھیت میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ وہ سبزیاں جو نباتاتی حِصّوں کے ذریعے اُگائی جاتی ہیں اُن میں آلو، ہلدی اور ادرک بہت اہم ہیں۔

محمود صاحب:۔ بھائی جان آپ نے تو انھیں زراعت کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا۔ کیوں عامر آیا کچھ سمجھ میں؟

عامر:۔ "کیوں نہیں ابّو۔ چچا جان نے تو بہت مفید باتیں بتا دیں۔

نوید:۔ ابّو! میرا تو پکّا ارادہ ہے کہ واپس گھر جا کر ساتھ والی زمین پر سبزی کاشت کروں گا۔ کم از کم تازہ سبزی تو کھانے کو ملے گی۔

عامر:۔ (ہنستے ہوئے) واہ بھئی۔ پھر تو ہمارے وارے نیارے ہوں گے۔ ایک تو مشغلہ رہے گا۔ خرچ کی بچت ہوگی اور پھر روز سبزی لانے کے لیے بازار جانے سے بھی چھٹکارا مل جائے گا۔

حامد صاحب:۔ چلو بھئی گھر چلیں۔ دیر ہو گئی اور پھر شام کے کھانے کے لیے سبزی بھی تو لے جانی ہے"۔ سب لوگ اُٹھے اور گھر کی راہ لی۔

مَشق

۱۔ پاکستان کی کتنی فی صد آبادی کا ذریعۂ مُعاش زراعت ہے ؟
۲۔ زراعت پیشہ شخص دُوسروں کے لیے کس طرح کار آمد ہوتا ہے ؟
۳۔ زرعی تعلیم کی کیا اہمیّت ہے ؟
۴۔ سبزیاں کاشت کرنے کے کون کون سے طریقے ہیں ؟
۵۔ پانی کی سطح اگر بیج سے اُونچی ہو جائے تو کیا نُقصان ہوتا ہے ؟
۶۔ ان الفاظ پر اِعراب لگائیے۔
سفر ۔منظر۔ فصل ۔ اجناس ۔مسرت۔
۷۔ معنوں کے لحاظ سے فعل کی دو قسمیں ہیں۔ فعل لازم ، فعل متعدی ۔ وہ فعل جو صرف فاعل لگا دینے سے مکمل ہو فعل لازم کہلاتا ہے مثلاً "افضل اُٹھا"۔ اس مثال میں "اُٹھا" فعل ہے اور "افضل" فاعل ۔ لیکن جب فعل کے لیے فاعل کے علاوہ مفعول کی بھی ضرورت ہو اُسے فعل متعدی کہتے ہیں جیسے :۔"افضل نے خط لکھا"۔ اس مثال میں "لکھا"، فعل متعدی ہے اور "خط" مفعُول۔
آپ فعل لازم اور متعدی کی مثالیں اس سبق سے تلاش کر کے لکھیں۔

قومی پرچم

یُوں تو پرچم کپڑے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے، لیکن جب کوئی آزاد قوم کسی خاص رنگ اور کسی خاص شکل میں اس سے پرچم تخلیق کرتی ہے تو پھر اُس کی حیثیّت عام کپڑے جیسی نہیں رہتی بلکہ یہ ساری قوم کے لیے قابلِ احترام ہو جاتا ہے۔ دُنیا میں جتنی بھی آزاد قومیں ہیں اُن سب کا اپنا اپنا پرچم ہے۔ ہم بھی آزاد قوم ہیں اِس لیے ہمارا بھی ایک مخصوص پرچم ہے جسے اُونچا رکھنا اور اُس کا احترام کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کے قِصّوں سے یہ ثابت ہے کہ اُنھوں نے قومی پرچم کو بُلند رکھنے کے لیے اپنی جان تک کی پروا نہیں کی۔ ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے وطنِ عزیز کے سبز ہلالی پرچم کی عظمت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہیں اور جان کی قیمت پر بھی اسے سربُلند رکھیں۔

ہمارے پیارے وطن پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم شہیدِ ملّت لیاقت علی خان نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو دستوریہ میں پاکستان کے قومی۔ پرچم کے خاص رنگ اور خاص شکل کو پیش کرتے ہُوئے فرمایا تھا:۔

"پاکستان کا پرچم آزادی، خودِ مختاری اور مُساوات کا مَظہر ہے۔ یہ پرچم پاکستان کے ہر شہری کے حقُوق کا محافظ ہو گا اور مملکتِ پاکستان کی سالمیّت اور اس کے دفاع کی ضمانت بنے گا۔ یہ پرچم اس امر کی علامت ہے کہ ہماری آزاد اور خُودِ مُختار قوم عالمی امن کے قیام میں مثبت کردار ادا کر سکتی ہے۔ ہم نے مُدّتوں کی غُلامی کے بعد آزادی کی نعمت حاصل کی ہے۔ یہ پرچم آزادی کے لیے ہماری جِدّ وجہد کا امانت دار ہے اور اِس امر کا ضامن بھی ہے کہ ہم خُودِ آزاد ہیں اور دُوسروں کی آزادی کا بھی احترام کرتے ہیں۔ ہمارا پرچم امن و سلامتی کا نشان ہے۔ یہ صِرف اپنے لیے نہیں بلکہ دُنیا بھر

کے لیے امن و سلامتی کی علامت ہے۔ اس پرچم کا نہ محض کپڑا اہم ہے نہ رنگ، بلکہ وُہ عظیم روایات و اقدار اہمیّت کی حامل ہیں جو اس پرچم کا ماضی ہیں اور وہ آزادی اور خُود مُختاری اہم ہے جو اس کا حال ہے اور وہ ترقّی اور بُلند اقبالی جو اس کا مُستقبل ہے"۔

قومی پرچم کے ادب و احترام کے لیے کچھ خاص اصُول وضع کیے گئے ہیں جن کا جاننا، سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ جب قومی پرچم لہرایا جائے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اُس کی طرف مُنہ کر کے مؤدب کھڑے ہو جائیں۔ پرچم ہمیشہ سیدھا اور اُونچا رکھنا چاہیے۔ قومی پرچم کسی شخص کے آگے نہیں جُھکتا اور نہ کسی چیز کے آگے سرنگوں ہوتا ہے، کیونکہ یہ ہمارے قومی کردار، وقار، عزت و عظمت اور جرأت و بہادری کی نمائندگی کرتا ہے۔

قومی پرچم لہرائے جانے کے سوا اور کسی استعمال میں نہیں آتا، لیکن جب کسی عظیم شخصیّت کو فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کرنا مقصود ہوتا ہے تو پھر حکومت کی طرف سے میّت کو اس میں لپیٹنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

جب کسی دُوسرے مُلک کے پرچم کے ساتھ پاکستان کا پرچم بھی لہرانا مقصود ہو تو یاد رکھنا چاہیے کہ قومی پرچم دائیں طرف رکھا جائے یعنی اگر آپ اُس کی طرف مُنہ کر کے کھڑے ہوں تو آپ کا قومی پرچم آپ کی بائیں جانب ہو۔ اگر ایک سے زیادہ مُلکوں کے پرچم لہرائے جائیں تو ہمارا پرچم درمیان میں اور بلندی پر ہونا چاہیے۔ ہر آزاد قوم اپنی تقریبوں پر اپنا پرچم لہراتی ہے۔ ہمارے یہاں یومِ پاکستان، یوم آزادی، یومِ دفاع اور بانیٔ پاکستان حضرت قائدِاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یومِ ولادت پر قومی پرچم لہرایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی موقع پر پرچم لہرانا ضروری قرار پائے تو حکومت حکم جاری کرتی ہے۔ کام کے دوران ہمارے مُلک کی سرکاری عمارتوں پر پرچم لہرایا جاتا ہے۔ پاکستان کے صدر، وزیرِ اعظم، صُوبوں کے گورنروں کی قیام گاہوں پر بھی قومی پرچم لہرایا جاتا ہے۔

پرچم کے احترام اور ادب کی خاطر ہمیں چاہیے کہ ہم اُسے عام جگہوں پر کبھی نہ لہرائیں اور اگر کسی قومی تہوار پر ایسا ہو تو پھر جھنڈیوں کی صُورت میں بنے ہُوئے پرچموں کو احتیاط سے رکھا جائے تاکہ اُن کی بھی بے حُرمتی نہ ہو۔ خیال رہے کہ وہ زمین پر نہ گریں اور پاؤں تلے نہ آئیں۔ اگر پرچم کی تصویر کاغذ کی ایک طرف چھاپی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ پرچم کا سفید حصّہ دائیں طرف ہو اور سبز حصّہ بائیں طرف۔ پرچم پر ہلال کی تصویر ایسی ہو کہ وہ پہلی تاریخ کے چاند کی مانند نظر آئے۔

دُنیا میں صرف ایک پرچم ایسا ہے جو کبھی سرنگوں نہیں ہوتا۔ اس پرچم پر کلمہ طیّبہ تحریر ہے اور یہ ہمارے دوست مُلک سعودی عرب کا پرچم ہے۔ دیگر ممالک کے پرچم عظیم قومی اور عالمی حادثوں پر سرنگوں ہوتے ہیں، مگر اس کے لیے باقاعدہ حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا ہے۔ قومی پرچم کو سرنگوں بھی نہایت آہستگی سے کرتے ہیں اور ایسے موقع پر تعظیماً اِسی طرح خاموش کھڑے ہوتے ہیں جس طرح پرچم لہراتے وقت خاموش اور مؤدب کھڑے ہوتے ہیں۔

ہم ایک آزاد قوم ہیں، ہمیں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کی خاطر اپنے قومی پرچم کو سر بُلند رکھنا ہے۔ اسے اُونچا رکھنے کے لیے ہمیں ہر وقت مُستعِد رہنا چاہیے۔ اِس کا ادب و احترام ہمارے قومی وقار کی سر بُلندی ہے۔ اِس کی تعظیم وطن کی شان و شوکت کو چار چاند لگاتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے قومی پرچم کا احترام خود بھی کریں اور دُوسروں سے بھی کروائیں۔

مشق

۱۔ ہمارے قومی پرچم کا نمُونہ کس نے پیش کیا تھا اور پیش کرتے وقت کیا فرمایا تھا؟

۲۔ قومی پرچم کے احترام کے سلسلے میں کوئی پانچ اصول تحریر کیجیے۔

۳۔ درُست بیان پر ✓ نشان لگائیے۔
(ا) قومی پرچم لہرایا جائے تو مؤدب کھڑا ہونا چاہیے۔
(ب) جب کئی مُلکوں کے پرچم لہرائے جائیں تو اپنے قومی پرچم کو ایک سرے پر لگانا چاہیے۔
(ج) دُنیا کے تمام مُلکوں کے پرچم قومی اور عالمی حادثوں پر سرنگوں ہوتے ہیں۔
(د) کسی عظیم شخصیّت کو فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کرنا ہو تو اُس کی میّت قومی پرچم میں لپیٹی جاتی ہے۔
(ہ) ہمارا قومی پرچم قائدِ ملّت لیاقت علی خان نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو دستوریہ میں پیش کیا تھا۔

۴۔ درُست اِعراب لگائیے :۔ تخلیق۔ پرچم۔ ہلالی۔ مظہر۔ دستوریہ۔ مودب۔ سرنگوں۔ کلمہ طیبہ۔ وقار۔

۵۔ آپ جانتے ہیں کہ معنی کے لحاظ سے اِسم کی دو قسمیں ہیں۔ اِسم نکرہ اور اِسم معرفہ۔ اِسمِ معرفہ کسی خاص جگہ یا چیز یا شخص کا نام ہوتا ہے مثلاً محمد علی۔ شاہی مسجد وغیرہ۔ اسم معرفہ کی چار قسمیں ہیں۔ اسمِ عَلَم۔ اسمِ ضمیر۔ اسم اشارہ۔ اسم موصول۔ ان اسماء پر غور کیجیے۔ قائدِ اعظم محمّد علی جناح۔ اسد اللہ غالب۔ سر سیّد احمد خاں۔ لاہور کی شاہی مسجد۔ ان اسماء میں مقامات کی اور اشخاص کی تخصیص کی خصوصی علامات موجود ہیں۔ اسمِ معرفہ کی اس قِسم کو اسمِ عَلَم کہتے ہیں۔ اس سبق سے اسمِ عَلَم تلاش کرکے لکھیے۔

۶۔ لاہوری، پشاوری، فاروقی، حسینی ایسی صفات ہیں جن میں کسی شخص یا چیز کا تعلّق دُوسری چیز یا شخص سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اُنھیں صِفتِ نسبتی کہتے ہیں۔ ان میں حرف "ی" کو یائے نسبتی کہتے ہیں۔ آپ درجِ ذیل الفاظ سے صفتِ نسبتی بنائیں۔ فوج۔ دربار۔ علاقہ۔ سرحد۔ خاندان۔ فقیر۔ پہاڑ۔ آسمان۔ عرب۔

دھنک

آج بادل خُوب برسا اور برس کر کھُل گیا
بُوٹا بُوٹا ڈالی ڈالی، پتّا پتّا دُھل گیا

دیکھنا! کیا دُھل گیا سارے کا سارا آسماں
اُودا اُودا، نیلا نیلا، پیارا پیارا آسماں

ہٹ گیا بادل کا پردہ مِل گئی کرنوں کو راہ
سلطنت پر اپنی پھر خورشید نے ڈالی نگاہ

دُھوپ میں ہے گھاس پر پانی کے قطروں کی چمک
مات ہے اس وقت موتی اور ہیرے کی دمک

دے رہی ہے لُطف کیا سرسبز پیڑوں کی قطار
اور ہری شاخوں پہ ہے رنگین پھُولوں کی بہار

کیا پرندے پھر رہے ہیں چہچہاتے ہر طرف
راگنی برسات کی خُوش ہو کے گاتے ہر طرف

دیکھنا! وہ کیا اچنبھا ہے، ارے وُہ دیکھنا
آسماں پر، ان درختوں سے پرے وُہ دیکھنا

یہ کوئی جادو ہے، یا سچ مُچ ہے اک رنگیں کماں
واہ وا! کیسا بھلا لگتا ہے یہ پیارا سماں

کِس مصوّر نے بھرے ہیں رنگ ایسے خوش نُما
اِس کا ہر اک رنگ ہے آنکھوں میں جیسے کھُب گیا

اِک جگہ کیسے اکٹھے کر دیے ہیں سات رنگ
شوخ ہیں ساتوں کے ساتوں اِک نہیں ہے مات رنگ

ہے یہ قدرت کا نظارا ، اور کیا کہیے اسے؟
بس یہی جی چاہتا ہے دیکھتے رہیے اسے
ننھّے ننھّے جمع تھے پانی کے کچھ قطرے وہاں
ان پہ ڈالا عکس سورج نے ، بنا دی یہ کماں
دیکھو دیکھو اب مٹی جاتی ہے وہ پیاری دَھنک
دیکھتے ہی دیکھتے گُم ہو گئی ساری دَھنک
لو ہَوا میں رل گئی ، وہ سب کی سب ، کچھ بھی نہیں
آنکھیں مَل مَل کر نہ دیکھو ، آؤ ، اب کچھ بھی نہیں

(حفیظؔ جالندھری)

مشق

۱۔ اس نظم کا مطلب آسان الفاظ میں لکھیے۔

۲۔ پہلے ، چوتھے اور بارھویں شعر کا مطلب لکھیے۔

۳۔ اگر آپ کو دَھنک کا کوئی اور نام معلوم ہو تو لکھیے۔

۴۔ اس طرح کے دو الفاظ جو ایک ہی معنی دیتے ہوں مترادف کہلاتے ہیں۔آپ کم از کم پانچ مترادف الفاظ خوشخط لکھیں۔مثلاً قبول ـــــ منظور۔

۵ اس نظم میں بہت سے الفاظ دو دو دفعہ ایک ساتھ استعمال ہُوئے ہیں۔
مثلاً بُوٹا بُوٹا ، ڈالی ڈالی ، پتّا پتّا ، اُودا اُودا ، نیلا نیلا ، پیارا پیارا ، ننھّے ننھّے ، دیکھو دیکھو۔
آپ اس طرح کے الفاظ کے پانچ جوڑے خود بنا کر جملوں میں استعمال کریں۔

۶۔ دُرست اعراب لگائیے۔
اچنبھا ۔ مصور ۔ دھنک ۔ نظارا ۔ پتا پتا ۔ اودا ۔

حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ

کہتے ہیں ایک شخص دس سال تک حضرت داتا گنج بخشؒ کی خدمت میں رہا اور پھر واپس جانے کا اِرادہ ظاہر کیا۔ حضرت داتاؒ نے اُس سے آنے اور پھر اس طرح رُخصت ہونے کی وجہ پُوچھی تو وہ کہنے لگا، "سچ تو یہ ہے کہ میں آپ کا مُرید بننے آیا تھا، لیکن دس سال میں مَیں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی، اِس لیے مایُوس ہو کر واپس جا رہا ہُوں"۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا، "اس عرصے میں تُم نے کبھی مُجھے شریعت کے خلاف کوئی کام کرتے دیکھا ہے؟" وہ کہنے لگا، "نہیں"

اس پر داتا صاحبؒ نے فرمایا: "میری سب سے بڑی کرامت یہی ہے"۔

حضرت پیر باباؒ کے ایک مُرید کئی برس تک پیر باباؒ کی خدمت میں رہے۔ اُنھوں نے بھی ایسی ہی گواہی دی ہے کہ حضرت پیر باباؒ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ اُن کا ہر عمل نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سُنّت کے مُطابق تھا۔

حضرت پیر باباؒ کا پُورا نام سیّد علی غوّاص تھا۔ آپ کے والِد بابر بادشاہ کے بہنوئی تھے۔ وہ ہمایوں کی فوج کے سپہ سالار بھی رہے۔ اُن کا گھرانا حُسینی سادات سے تعلّق رکھتا تھا۔ حضرت پیر باباؒ موضع غلطان آباد (ترمذ) میں پیدا ہُوئے۔

حضرت پیر باباؒ کے دادا بہُت بڑے درویش تھے اور اپنا سارا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے تھے۔ اُن کو حضرت پیر باباؒ سے بڑی محبّت تھی اس لیے پیر باباؒ بچپن ہی سے تقویٰ اور پرہیز گاری کو پسند کرنے لگے تھے۔

آپ کے والِد بابر کے ہمراہ ہندوستان آ گئے تھے۔ جب ہمایوں نے ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو آپ کے والد نے آپ کو دربار میں لے جانا چاہا۔ آپ ایک دو بار دربار گئے بھی لیکن آپ کو دربار کی زندگی پسند نہ آئی۔ آپ دربار چھوڑ کر

کابل چلے گئے اور وہاں عالموں اور صُوفیوں کی محفلوں میں بیٹھ کر علم حاصل کرنے میں مصرُوف ہو گئے۔ جب کابل کے عُلماء کی مجالس میں آپ کی سیری نہ ہُوئی تو آپ نے حصُولِ علم کے لیے ہندوستان کا قصد کیا۔

چُنانچہ آپ پانی پت میں حضرت شیخ شرفُ الدّین المعروف بہ بُو علی قلندرؒ کے مزار پر حاضر ہُوئے اور وہاں شب و روز عبادت و ریاضت میں مصرُوف رہنے لگے۔ اس دوران آپ کے والد آپ کو تلاش کرتے رہے۔ آخر کچھ لوگوں نے آپ کو ڈھونڈ نکالا اور والد کے پاس لے گئے۔ والد نے آپ کو بہُت سمجھایا، نصیحت کی، لیکن پیر باباؒ نے تو اپنی زندگی علم حاصل کرنے اور حق و صداقت کی تبلیغ کے لیے وَقف کر رکھی تھی اِس لیے آپ والد سے اجازت حاصل کر کے عُلماء، صُوفیاء اور اولیاء کی مجالس میں اپنی زندگی کے دِن گزارنے لگے۔

آخر کار اجمیر پُہنچے اور حضرت سالار رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ حضرت شیخ سالار رُومیؒ درویش کامل ہونے کے ساتھ بہت بڑے عالم بھی تھے۔ حضرت پیر باباؒ کو ایسا مُرشد مِل گیا جس کی تلاش میں اُنھوں نے اپنا گھر، والدین اور دُنیا کی جاہ وحشمت کو چھوڑا تھا۔ شیخ کی خانقاہ میں ایک عرصہ عبادت و ریاضت میں مشغُول رہے۔ حضرت شیخ کی صُحبت میں حضرت پیر باباؒ کو فقر کی دولت حاصل ہُوئی اور پھر ایک وقت ایسا آیا جب پیر نے اپنے مُرید کو رُوحانی فیض و برکت کے خزانے سے مالا مال کر کے تبلیغ حق کے لیے روانہ کر دیا۔ پیر و مُرشد سے رُخصت ہونے کے بعد آپ گجرات اور کشمیر گئے۔ چند سال تک آپ تبلیغ کے کام میں مصرُوف رہے اور ہزاروں لوگوں کو اپنے عقیدت مندوں میں شامل کر لیا۔

اِس دَوران پھرتے پھراتے آپ کابل پُہنچے اور اپنے والدین سے مِلے، اُن کے والد اپنے بیٹے کی حالت دیکھ کر بہُت متاثّر ہُوئے اور کہا کہ بیٹا میں غلطی پر تھا۔ میں تمھیں دُنیا میں مُبتلا کرنا چاہتا تھا مگر اللہ نے تمھیں دین کی خدمت کے لیے چُن لیا ہے۔ رُخصت ہوتے وقت اُنھوں نے اپنے بیٹے کو دو تھیلے دیے جن میں سے ایک میں اشرفیاں

اور دُوسرے میں چاندی کے سکّے تھے اور کہا کہ لو انھیں فقراء پر خرچ کرنا۔ کچھ دِنوں کے بعد حضرت پیر باباؒ اپنے والدین سے رُخصت ہو کر حضرت بُو علی قلندرؒ کے مزار کی زیارت کے لیے پانی پت چلے آئے۔ یہاں آپ نے اپنا گھوڑا اور ہتھیار ایک تاجر کو دِیے جو کابل جا رہا تھا کہ یہ چیزیں اُن کے والد کو پہنچا دے۔

پانی پت سے آپ نے شیخ سالار رُومیؒ کی خدمت میں اجمیر شریف جانے کا ارادہ کیا۔ اجمیر شریف پہنچے تو معلوم ہُوا کہ حضرت شیخ سالار رُومیؒ وفات پا چکے ہیں۔ یہ خبر سُن کر حضرت پیر بابا شیخؒ کے فرزند حسین کے پاس تعزیت کے لیے گئے۔ شیخ حسین نے کہا کہ میرے والد نے وصیّت کی ہے کہ اُن کا خرقہ آپ کو دُوں اور آپ کے لیے اُنھوں نے یہ حُکم چھوڑا ہے کہ آپ کوہستان میں جائیں اور لوگوں کو نیکی کی راہ کی ہدایت کریں۔ چنانچہ اجمیر شریف سے واپس ہو کر پشاور پہنچے۔ یہاں قیام کے دوران خان سیف اللہ خان آپ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور آپ کو موضع دوآبہ لے گئے۔ دوآبہ میں پیر باباؒ کے اچھے اَخلاق، پاکیزہ کردار اور نیکی اور بھلائی کی تعلیم نے لوگوں کے دِلوں پر بڑا اثر کیا اور وہ آپ کے مُرید ہونے لگے۔

دوآبہ سے حضرت پیر باباؒ یُوسف زئی علاقے میں چلے گئے جہاں اُنھوں نے سدوم نامی قصبے میں قیام فرمایا۔ وہاں اُن کے مُریدوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی گئی۔ وہیں بونیر کے مشہور سردار ملک دولت خان کی ہمشیرہ سے آپ نے شادی کی۔ یہیں آپ کے دو بیٹے بھی پیدا ہُوئے۔ سدوم سے حضرت پیر باباؒ بونیر کے مقام باجا کلی میں منتقل ہو گئے۔ وہیں آپ نے ۱۵۸۳ء میں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار بونیر میں ایک ندّی کے کِنارے خُوبصُورت پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے، جس پر ایک خُوبصُورت مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے۔ مقبرے کے ساتھ ایک بڑی جامع مسجد بھی ہے۔ مزار کے قریب ہی ایک غار ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ وہاں پر چلّے کاٹتے اور مراقبے میں بیٹھتے تھے۔

حضرت پیر باباؒ نے دُور دراز پہاڑی علاقوں میں اسلام کی شمع روشن کی جہاں اُن سے پہلے کوئی اور مُبلّغ نہ جا سکا۔ آپ نے سچّے اسلامی مُعاشرے کی بُنیاد رکھی اور لوگوں کو اِسلام کے بُنیادی اُصُولوں سے آگاہ کیا۔ آپ نے نقلی پیروں سے بھی لوگوں کو

بچایا۔ ایک دفعہ دو بھائی حضرت پیر باباؒ کے پاس آئے۔ وہ اپنے علم و کمالات سے لوگوں کو مرعوب کرتے تھے۔ حضرت پیر باباؒ اُنھیں دیکھتے ہی پہچان گئے۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے ایک مُرید کو اشارہ کیا کہ اپنی پگڑی میں کاغذ کا ایک پُرزہ چھُپالے۔ کچھُ دیر کے بعد ایک بھائی نے کہا۔" ساری کائنات میرے اختیار میں ہے"۔ دُوسرا بولا، " مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ آسمان سے ایک بلا نازل ہونے والی ہے"۔ پیر باباؒ نے فرمایا۔" آسمان بہت دُور ہے، پہلے مُجھے یہ بتاؤ اس پگڑی میں کیا ہے ؟" دونوں بھائی سوچ میں پڑ گئے، پھر ایک بولا۔" کوئی کھانے کی چیز ہو گی"۔ جب پگڑی کو کھول کر اُنھیں کاغذ کا ٹکڑا دِکھایا گیا تو دونوں بے حد شرمندہ ہُوئے۔

حضرت پیر باباؒ اُن لوگوں کو پسند کرتے تھے جو آپ کے پاس دل کی پاکیزگی، علم کی طَلَب اور حق و صداقت کی تلاش میں آتے تھے۔ جو لوگ دُنیوی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اُن کے لیے بھی دُعا فرماتے مگر اُن سے خُوش نہ ہوتے۔

حضرت پیر باباؒ بڑے سخی تھے۔ آپ کے دروازے سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ آپ بیماروں کی عیادت کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی مالی امداد بھی فرماتے۔ آپ کا لنگر سال کے بارہ مہینے جاری رہتا تھا جس سے روزانہ سینکڑوں مساکین فیض یاب ہوتے تھے۔

مَشق

۱۔ کسی بزرگ میں سب سے بڑی کرامت کونسی ہوتی ہے ؟

۲۔ ہمایوں کی شکست کے بعد پیر باباؒ کی اپنے والد صاحب سے مُلاقات کا خلاصہ لکھیے۔

۳۔ پیر باباؒ نے جھُوٹے پیروں کو کس طرح شکست دِی ؟

۴۔ اس سبق میں پیر باباؒ کی جو خُوبیاں بیان کی گئی ہیں، اُنھیں کاپی پر لکھیے۔

۵۔ مذکّر اور مؤنث الفاظ الگ الگ لکھیے۔

خدمت ۔ ارادہ ۔ سچ ۔ برس ۔ فوج ۔ سوچ ۔ فریضہ ۔ پسند ۔ لشکر ۔ ہار ۔ شمع ۔ زبان ۔ کاغذ ۔ پہچان۔

۶۔ درست اعراب لگائیے ۔ شریعت ۔ تقوی ۔ مرشد ۔ مشت ۔ فقراء ۔ وصیت ۔ مقبرہ ۔ مراقبہ ۔ دنیوی ۔ مرعوب۔

لومڑی کی چالاکی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک لُومڑی ایک کسان کے گھر کے قریب سے گزر رہی تھی۔ کسان اور اُس کی بیوی کھیتوں میں کام کرنے گئے ہُوئے تھے۔ اتفاق سے اُن کے گھر کا دروازہ کھُلا رہ گیا تھا۔ لُومڑی نے اندر جھانک کر دیکھا تو کمرے میں لکڑی کی ایک چھوٹی سی میز پر ایک کیک، کیلے کے بڑے سے پتّے میں لپٹا رکھا تھا۔ کیک دیکھ کر لُومڑی کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ وُہ چُپکے سے اندر داخل ہُوئی اور کیک اُٹھا کر اپنی راہ لی۔ اُس نے مُنہ میں کیک دبا رکھا تھا اور بھاگتی جا رہی تھی۔ راستے میں کِسی شکاری نے بہت بڑا گڑھا کھود رکھا تھا۔ لُومڑی چونکہ کیک کو سنبھالے رکھنے میں مصرُوف تھی، اس لیے گڑھے کو نہ دیکھ سکی اور دھڑام سے اس میں جا گری۔

جب اُسے ذرا ہوش آیا تو اُس نے اپنے آپ کو گڑھے میں پایا۔ کیلے کا خالی پتّا اُس کے مُنہ میں تھا۔ اب تو وُہ بہت گھبرائی۔ اس نے زور زور سے چیخنا چِلّانا شروع کر دیا، لیکن اُس کی مدد کو کوئی بھی نہ آیا۔ وہ بڑی اُداس بیٹھی تھی کہ اُسے کسی کے پَیروں کی آہٹ محسوس ہُوئی، سر اُٹھا کر دیکھا تو گڑھے کے کنارے سے ایک گیدڑ جھانک رہا تھا۔ اچانک لُومڑی کو ایک تجویز سُوجھی، اُس نے جھٹ سے کیلے کا پتّا مُنہ کے سامنے کر لیا۔ اور یہ تاثّر دیا جیسے وُہ کچھ پڑھ رہی ہو۔ گیدڑ نے اُس سے پُوچھا کہ تُم کیا پڑھ رہی ہو؟ لُومڑی نے جواب دیا کہ آج کا دن بڑا منحوس ہے۔ آج ایک زبردست زلزلہ آئے گا، جس سے بڑی تباہی مچے گی۔ اگر کوئی بچنا چاہتا ہے تو وہ اس مقدس گڑھے میں پناہ لے۔ گیدڑ نے پُوچھا، تُمھیں یہ ساری بات کیسے معلوم ہُوئی۔ لُومڑی نے مصنُوعی حیرانی کا اظہار کرتے ہُوئے کہا:-

"کیا تمھیں دِکھائی نہیں دیتا کہ یہ بات اِس وَرق سے پڑھ کر بتا رہی ہوں؟" اُس نے

کیلے کے پتّے کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ "اوہ! اچھا یہ بات ہے!" گیدڑ تشویش کے عالم میں بولا، "پھر تو مجھے بھی اس گڑھے میں پناہ لینی چاہیے۔ اچھّی لومڑی کیا تم مجھے اس گڑھے میں آنے کی اجازت دو گی؟" "نہیں نہیں" لومڑی بولی۔ "تم بہت گندے ہو اور پھر تم چھینکتے بھی ہو۔ چھینکنے والی کوئی چیز اس گڑھے میں نہیں رہ سکتی۔ ورنہ تباہی یہاں بھی آ جائے گی"۔ گیدڑ نے منّت سماجت کرتے ہُوئے کہا "مَیں بالکل نہیں چھینکوں گا۔ وعدہ کرتا ہُوں"۔ لومڑی نے کہا "اچھا اپنا وعدہ یاد رکھنا اور ہاں آہستہ سے چھلانگ لگانا، کہیں میری ہڈی پسلی نہ توڑ دینا"۔ "نہیں میں احتیاط سے چھلانگ لگا رہا ہُوں"۔ گیدڑ نے یہ کہہ کر گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔

اس کے فوراً بعد لومڑی نے چلّانا شروع کر دیا۔ "آج کا دن بڑا منحُوس ہے۔ آج ایک زبردست زلزلہ آئے گا جس سے بڑی تباہی مچے گی"۔ قریب سے ایک ہاتھی گزر رہا تھا۔ جب اُس نے سُنا تو گڑھے میں جھانکتے ہُوئے کہا، "اے لومڑی یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" "مَیں سچ کہہ رہی ہُوں"۔ لومڑی بولی۔ "کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ میں یہ باتیں اس وَرق سے پڑھ کر سُنا رہی ہُوں اور جو بھی اس گڑھے میں پناہ لے گا وہ محفوظ رہے گا"۔ ہاتھی نے سادگی سے کہا، "اچھا تو پھر میں بھی گڑھے میں آ جاؤں"۔ "نہیں نہیں" لومڑی اُسے منع کرتے ہُوئے بولی، "تم یہاں آکر چھینکو گے"۔ ہاتھی نے بڑی عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ وہ بالکل نہیں چھینکے گا اور اگر وہ ایسا کرے تو اُسے بے شک گڑھے سے باہر نکال دیا جائے"۔ لومڑی نے اس شرط پر ہاتھی کو گڑھے میں آنے کی اجازت دے دی۔ ہاتھی قدرے خوش لیکن بڑی مُشکل کے ساتھ گڑھے میں اُتر گیا۔ اُس نے لومڑی کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ہاتھی کو آنے والی تباہی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔

اتنے میں وہاں سے ایک شیر کا گزر ہُوا۔ شیر نے گڑھے میں جھانک کر اپنے شاہانہ انداز میں پُوچھا "یہاں کیا کر رہے ہو؟" لومڑی نے کہا، "آپ کو پتا نہیں، ایک زبردست زلزلہ آنے والا ہے جس کے بعد بڑی تباہی مچے گی"۔ شیر نے رُعب سے پُوچھا۔ "تمھیں یہ کس نے بتایا؟" "حضور آپ دیکھ نہیں رہے ہیں، اِس وَرق پر لکھی ہُوئی تحریر کو

پڑھ کر بتا رہی ہوں"۔ اس نے کیلے کے پتّے کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ "اوہ"۔ شیر نے اس کی دلیل کو تسلیم کرتے ہُوئے کہا۔ "تو پھر اس تباہی سے بچنے کی کیا صُورت ہے؟" لُومڑی نے جواب دیا۔ "جو بھی اِس گڑھے میں پناہ لے گا وہ اِس آفت سے بچ جائے گا۔ اسی لیے تو ہم یہاں جمع ہیں"۔ "تو پھر میں بھی اس گڑھے میں آرہا ہوں"۔ شیر نے جلال میں جواب دیا۔ "نہیں جناب اس صفحہ پر یہ بھی لِکھا ہُوا ہے کہ اس گڑھے میں وہی آ سکتا ہے جو یہاں آکر چھینکے نہیں۔ اگر کوئی یہاں آکر چھینکے گا تو تباہی و بربادی اِس گڑھے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی"۔ "نہیں نہیں میں چھینکوں گا نہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو بے شک تم مُجھے باہر نکال دینا"۔ لُومڑی نے کہا، "جناب آپ جنگل کے بادشاہ ہیں۔ سچ ہی کہتے ہوں گے۔ آپ بھی گڑھے میں تشریف لے آئیے"۔ چنانچہ شیر بھی گڑھے میں کُود گیا۔

ابھی ان سب کو گڑھے میں خاموش اور خوفزدہ بیٹھے ہُوئے تھوڑی ہی دیر ہُوئی تھی کہ اچانک لُومڑی کو چھینک آ گئی۔ بس جی اب کیا تھا۔ گیدڑ، ہاتھی اور شیر کو بڑا غُصّہ آیا۔ اُنھوں نے لُومڑی کو بڑی کھری کھری سُنائیں۔ لُومڑی نے اُن سے معافی مانگنے کی بہت کوشِش کی لیکن شیر نے کہا، "اس کا جُرم ناقابِلِ معافی ہے۔ اسے ضرور سزا ملے گی اور سزا کے طور پر اسے گڑھے سے نکال دیا جائے گا"۔ "لیکن میں تو خود گڑھے سے باہر بھی نہیں نکل سکتی"۔ لُومڑی نے مَعْصُومیت سے کہا۔ "یہ کام میں خود کروں گا"۔ شیر دہاڑا اور اُس نے لُومڑی کو اُٹھا کر گڑھے سے باہر پھینک دیا۔ لومڑی کو تھوڑی سی چوٹ تو آئی، لیکن گڑھے سے باہر آنے پر اُس نے خُدا کا شکر ادا کیا اور وہ گیدڑ، ہاتھی اور شیر کی سادگی اور اپنی چالاکی پر دل ہی دل میں ہنستی ہُوئی اپنے گھر کی طرف دوڑ گئی۔

مشق

۱- لُومڑی گڑھے میں کیسے گِری ؟
۲- لُومڑی نے دُوسرے جانوروں پر گڑھے میں آنے کے لیے کیا شرط لگائی تھی ؟
۳- ہرن ، گیدڑ ، ہاتھی ، شیر اور اُونٹ کی خصوصیات بیان کریں ۔
۴- الفاظ و محاورات کے معنی لکھیے اور اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے ۔
منہ میں پانی بھر آنا ۔ مُقدّس ۔ تشویش ہونا ۔ پناہ لینا ۔ شاہانہ انداز ۔ رُعب ۔ دلیل ۔ آفت ۔
۵- بناوٹ کے لحاظ سے اِسم کی کتنی اقسام ہیں ؟ ہر ایک کی تین مثالیں دیجیے ۔
۶- لُومڑی ، عقاب اور شیر اپنی کِن خصُوصیات کی وجہ سے مشہور ہیں ؟
۷- آپ جانتے ہیں کہ اسمِ صِفَت وہ اِسم ہے جو کسی دُوسرے اسم کی اچھائی ، بُرائی مقدار یا تعداد کو ظاہر کرے ۔ مثلاً بڑا مکان ۔ چھوٹا آدمی ۔ پانچ اُنگلیاں وغیرہ ۔
آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ صِفَت اگر کسی دُوسری جگہ یا شخص سے نسبت ظاہر کرے تو اُسے صفتِ نسبتی کہتے ہیں ۔ ان کلمات پر غور کیجیے ۔ ہرا ہرا گھاس ۔ سفید برف ، یہاں ہرا اور سفید صِفَت ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صِفَت موصوف کی اپنی ذات کے اندر موجُود ہے اور مستقل طور پر پائی جاتی ہے ۔ ایسی صِفَت کو صِفَتِ ذاتی کہتے ہیں ۔ ان کلمات میں سے صفتِ نسبتی اور صفتِ ذاتی والے کلمات کو الگ الگ لکھیے ۔
جنگلی جانور ۔ ٹھوس پتھّر ۔ روشن سُورج ۔ پاکستانی بچّے ۔ سواتی کڑھائی ۔ میٹھا شہد ۔ سُرخ گلاب ۔

قیامِ پاکستان میں خواتین کا حِصّہ

دُنیا کی قوموں کی تاریخ کا مُطالعہ کرنے سے یہ بات معلُوم ہوتی ہے کہ جس قوم کی خواتین مُلکی اور مِلّی ذمّہ داریوں میں حِصّہ نہیں لے سکیں وہ قوم عموماً آزاد زندگی گزارنے سے محرُوم رہی۔ قائدِ اعظمؒ اِس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔ اُنھوں نے تحریکِ آزادی کی قیادت سنبھالتے ہی اس بات پر زور دیا کہ "دُنیا میں کوئی قوم اُس وقت تک ترقّی نہیں کر سکتی جب تک اُس قوم کی عورتیں میدانِ عمل میں گامزن نہ ہوں"۔

اس بات کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لیے اُنھوں نے سیاسی امور میں اپنی بہن فاطمہ جناح کو ہمیشہ اپنے ساتھ شریک رکھا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے پاکستان کی تحریکِ آزادی کے دِنوں میں اپنے کردار اور عمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اگر عورتیں اپنی مِلّی ذِمّہ داریاں سنبھال لیں اور ان ذمّہ داریوں کو پُورا کرنے کے لیے کام کریں تو قوم ہر قسم کے حالات اور مُشکلات کا مُقابلہ کر سکتی ہے۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار دادِ پاکستان منظور ہونے کے بعد مُسلمانوں نے پاکستان حاصل کرنے کے لیے اپنی جِدّ و جہد تیز تر کر دی تھی، اُس وقت تک آزادی کے راستے پر مَردوں کے ساتھ بہت سی خواتین قدم رکھ چکی تھیں۔ اِس طرح ایک طرف قائدِ اعظمؒ پاکستان کی مخالف طاقتوں سے سیاسی جنگ لڑ رہے تھے اور دُوسری طرف محترمہ فاطمہ جناح اپنے بھائی کی قیادت میں مُسلمان خواتین کو منظّم کرنے کے بعد میدانِ عمل میں نکل آئی تھیں۔

بابائے قوم خواتین کو تحریکِ پاکستان میں برابر شریک رکھنا چاہتے تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ خواتین عِلم حاصل کریں تاکہ وہ تیزی سے بدلتے ہُوئے حالات کو سمجھ سکیں۔ پیش آنے والے واقعات کا مُقابلہ کر سکیں اور نئی نسل کی صحیح تربیّت کر سکیں۔ ان خیالات

کا اظہار اُنھوں نے اپنی ایک تقریر میں اِن الفاظ میں کیا۔ "قوم کی تعمیر خواتین کا اہم فرض ہے۔ وہ نونہالوں کا کردار بنانے میں معمارِ اوّل کی حیثیّت رکھتی ہیں"۔

برِّصغیر کی مُسلمان خواتین نے قائد کی آواز پر لبّیک کہا اور تحریکِ پاکستان میں اپنی ذمّہ داریاں پُوری کرنے کے لیے میدانِ عمل میں نکل آئیں۔ اِن خواتین کے سامنے سب سے پہلا کام یہ تھا کہ وُہ برِّصغیر کی مُسلمان خواتین کو نئے حالات اور قراردادِ پاکستان کے پسِ منظر سے رُوشناس کرائیں۔ چُنانچہ اس مقصد کو پُورا کرنے کے لیے ان خواتین کو انتھک کام کرنا پڑا۔ اُنھوں نے شہروں، قصبوں اور دیہات میں جہاں بھی جگہ ملی، وہاں سکول کھولے۔ بچّیوں کو زیورِ تعلیم سے سنوارا۔ مُلک کے گوشہ گوشہ میں جلسے کیے۔ جلوس نکالے اور خواتین کو آزادی کا مقصد سمجھایا اور قراردادِ پاکستان کا پسِ منظر تبلایا۔

قراردادِ پاکستان منظور ہونے کے بعد جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، خواتین کا جوش اور ولولہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اُن کی زبان پر بھی یہ نعرہ آگیا تھا کہ "لے کے رہیں گے پاکستان۔ بن کے رہے گا پاکستان"۔

پاکستان بننے سے تقریباً ڈیڑھ برس پہلے قائدِ اعظمؒ نے دہلی میں خواتین کا اجلاس بُلایا۔ اِس تاریخی جلسے میں جتنی تعداد میں خواتین شامل ہُوئیں اُس سے یہ اندازہ لگانا آسان تھا کہ اب مُسلمان عورت بیدار ہو چُکی ہے۔ بابائے قوم قائدِ اعظمؒ جلسے میں تشریف لائے تو محترمہ فاطمہ جناح اُن کے ساتھ تھیں۔ خواتین نیشنل گارڈز نے اُن کو سلامی دی۔ اِس موقع پر اُنھوں نے خواتین سے خطاب کرتے ہُوئے فرمایا۔

"مجھے خواتین کے مُتحِد ہونے پر بے حد خُوشی ہُوئی ہے۔ دراصل خواتین کا یہ اِتّحاد اور تنظیم ہی کامیابی کی منزل تک پُہنچائے گا"۔

شروع ۱۹۴۷ء میں برِّصغیر کی مُسلمان خواتین نے ایسا قدم اُٹھایا جسے دیکھ کر دُنیا حیران رہ گئی۔ اُنھوں نے حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی اور یہ ثابت کر دکھایا کہ جب کِسی قوم کی خواتین میدانِ عمل میں نِکلتی ہیں تو اُس قوم کے مُقابلے میں آنے والی ہر طاقت اپنی شکست تسلیم کرنے پر مجبُور ہو جاتی ہے۔ سول نافرمانی کے جُرم میں حکومت نے

مُسلمان رہنُما خواتین کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ خواتین نے خُوشی سے قید و بند کی سختیاں قبول کرلیں۔ یہاں تک کہ قیدِ تنہائی میں بھی اُنھوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ کچھ خواتین نے اپنے دوپٹوں سے آزادی کا پرچم تیّار کیا اور اُس پرچم کو جیل کی چھت پر لہرا کر دُنیا کو بتا دیا کہ آزادی کی راہ میں جیل کی دیواریں رُکاوٹ نہیں بن سکتیں۔

تحریک پاکستان میں رہنُما خواتین کی جُرأت، بے باکی، عزم، حوصلے اور قربانیوں نے قوم کی جواں نسل کو بے مثال جوش اور ولولہ دیا، نوجوان نسل منظّم ہوکر اپنی پوری قوّت سے پاکستان حاصِل کرنے کے لیے میدان میں نِکل آئی۔ جدّ و جہد آزادی کی تاریخ میں یہ واقعہ موجُود ہے کہ لاہور میں ایک مُسلمان لڑکی حکُومت کی مُحافظ طاقت سے تنہا مُقابلہ کرتی ہُوئی سیکرٹیریٹ کی عمارت کی چھت پر پُہنچی۔ چھت پر لہراتا ہُوا یُونین جیک اُتارا اور اُس کی جگہ پاکستان کا سبز پرچم بُلند کر دیا۔

صوبہ سرحد کی مُسلم خواتین نے بھی تحریکِ پاکستان میں بھرپُور حصّہ لیا۔ بیگم قاضی امیر احمد خان نے پشاور میں زنانہ مُسلم لیگ کا دفتر قائم کیا۔ بیگم کمال الدّین، بیگم زری سرفراز، بیگم شیریں وہاب، بیگم ممتاز جمال، سلطان بیگم، سیّدہ قانتہ بیگم، بیگم نذیر طلا محمّد، بیگم سردار حیدر جعفری نے صُوبے کی خواتین کو منظّم کیا، اُنھیں تحریکِ پاکستان سے روشناس کیا۔ کانگریسی حکومت کے خلاف سِول نافرمانی کی تحریک میں حصّہ لیا۔ بیگم نذیر طلا محمد اور بیگم سردار حیدر جعفری نے سول سیکرٹیریٹ پشاور سے یُونین جیک اُتار کر سبز ہلالی پرچم لہرا دیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی پشاور آمد کے موقع پر پچاس ہزار بُرقعہ پوش خواتین نے جلوس نکالا۔ مُسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں نعرے لگائے۔ ان خواتین کی پاکستان کے لیے خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

مشق

۱- خواتین کسی مُلک کی ترقّی میں کیا کردار ادا کر سکتی ہیں ؟
۲- پاکستان کے بنانے میں مُسلمان خواتین نے اپنی ذمّہ داریاں کس طرح پوری کیں ؟
۳- مادرِ ملّت نے قیامِ پاکستان میں کس طرح مدد کی ؟
۴- معنی لکھیے :-
ولولہ - عزم مُنظّم - محافظ - جدّ وجہد - سول نافرمانی - دوش بدوش - قیادت -
۵- جمع کے واحد اور واحد کے جمع لکھیے :-
قدم - دیہات - مقصد - عزائم - قائدین - خواتین -
۶- درُست بیانات پر نشان ✓ لگائیے :-
(ا) لاہور سیکرٹیریٹ پر سے یُونین جیک اُتار کر پاکستان کا پرچم ایک مُسلمان لڑکی نے لہرایا۔
(ب) جیل میں خواتین نے اپنے دوپٹوں سے آزادی کا پرچم بنا کر جیل پر لہرا دیا۔
(ج) مُسلمان خواتین نے سول نافرمانی کی تحریک میں کوئی حِصّہ نہیں لیا۔
۷- درُست اعراب لگائیے :-
نسل - روشناس - رہنما - محافظ - ولولہ - قائدین -
۸- آپ جانتے ہیں کہ اسمِ ضمیر وہ مختصر کلمہ ہے جو کسی اسم کی جگہ استعمال ہو مثلاً یہ ، وُہ ، اس وغیرہ - لیکن جب ضمیر چیزوں کی بجائے کسی خاص شخص یا اشخاص کی نمائندگی کرے تو ضمیر شخصی کہلاتا ہے - مثلاً ہم ، تُم ، وہ ، تمُھارا ، ہمارا ، اُن کا وغیرہ - اس سبق سے ضمیر شخصی تلاش کر کے لکھیں -

○

"مِل کے رہو"

ساری دُنیا کے لیے پیار کی پہچان بنو
جس پر اللہ کرے ناز وہ انسان بنو

کِتنی قربانیاں دے کر یہ وطن پایا ہے
پھُول اُجڑے ہیں ہزاروں تو چمن پایا ہے
یہ چمن اپنے ہی ہاتھوں سے نہ برباد کرو
اس میں شامل ہے شہیدوں کا لہُو یاد کرو
تُم جو آپس میں لڑوگے تو بِکھر جاؤ گے
ٹُک ہی جب نہ رہے گا تو کِدھر جاؤ گے
قوم و مِلّت کی نہ رُسوائی کا سامان بنو
ساری دُنیا کے لیے پیار کی پہچان بنو

ایک ہم سب کا خُدا، ایک ہمارا ہے رسولؐ
رنجشیں بھُول کے اپناؤ محبّت کے اصول
ایک ہی باغ کے پھُولوں کی طرح کِھل کے رہو
ایک تسبیح کے دانوں کی طرح مِل کے رہو
ایک ہو جاؤ تو فولاد کی طاقت تُم ہو
ساری دُنیا کے لیے شمعِ ہدایت تُم ہو
اپنے آباء کی طرح صاحبِ ایمان بنو
جس پہ اللہ کرے ناز وہ انسان بنو

(مسرور انور)

مشق

۱۔ اِس نظم میں شاعر نے کون سا پیغام دیا ہے ؟
۲۔ "ایک ہی باغ کے پھُولوں کی طرح کِھل کے رہو۔"
اِس مصرع کا مطلب کیا ہے ؟

فارابی

پُرانے زمانے میں لوگ عجیب وغریب باتوں پر یقین رکھتے تھے مثلاً اُن کا خیال تھا کہ جب کوئی بادشاہ مرتا ہے تو سُورج گرہن واقع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ایک مُسلمان فلاسفر ابوالنصر فارابی نے اس بات کو ماننے سے اِنکار کیا اور کہا کہ سُورج گرہن توزمین اور سُورج کے درمیان چاند کے حائل ہونے سے واقع ہوتا ہے۔ اس سے کسی بادشاہ کی موت کا کیا تعلّق ہے؟

ابوالنصر ۸۷۰ء میں محمّد نامی ایک تُرک سپہ سالار کے گھر پیدا ہُوا۔ وُہ تُرکی الاصل تھا۔ شکل و صُورت سے بھی تُرک لگتا تھا۔ تُرکی زبان بولتا تھا۔ شام اور مصر میں رہتے ہُوئے بھی تُرکی لباس پہنتا تھا۔

ابوالنصر فارابی نے نہ تو شادی کی اور نہ ہی کتابوں میں اس کی کسی اولاد کا ذکر ملتا ہے۔ اس لیے ابوالنصر اُن کی کُنیت نہیں بلکہ لقب ہے جو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والوں کو دیا جاتا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فارابی نے ارسطو کی کتابیں پڑھیں جس سے اُسے فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کا خیال آیا لیکن یہ بات دُرست نہیں ہے۔ فارابی شروع ہی سے سوچنے والا ذہن رکھتا تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد فارابی کو قاضی کا عہدہ دیا گیا۔ قاضی کی حیثیت سے فارابی نے جو فیصلے کیے وہ اُس کی مزید شُہرت کا سَبَب بنے۔

فارابی بغداد بھی گیا تھا جہاں اُس نے عربی زبان سیکھی لیکن بغداد میں قیام کے دوران وہ مالی طور پر بہُت پریشان رہا۔ اس لیے اُس نے بغداد کو چھوڑ کر شام کی راہ لی۔ دمشق میں قیام کے دوران فارابی دِن کو باغبانی کرتا تھا اور رات کو اپنے آقا کی

شمع جلا کر کتابیں پڑھتا تھا۔ بعد میں فارابی امیر سیف الدولہ نامی ایک امیر کے دربار تک پُہنچا جس نے فارابی کی بہت قدر کی اور اُسے دربار میں اعلیٰ ترین عہدہ دیا۔ فارابی نے اس امیر سے چار درہم روزانہ سے زیادہ قبول کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بہر حال سیف الدّولہ کے ساتھ فارابی نے جو وقت گزارا وہ اس کی زندگی کے سب سے بہتر دِن تھے۔ فارابی اسی امیر کے ساتھ ۹۵۰ء میں دمشق گیا۔ وہیں وفات پائی۔ اُس کی نمازِ جنازہ امیر سیف الدّولہ نے خود پڑھائی۔

ابو النصر فارابی مزاج کے اعتبار سے تنہائی پسند تھا۔ وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ اس کے شاگرد بہت کم تھے۔ فارابی ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں گُم رہتا۔ وہ ہر لفظ اور خیال پر بہُت غور کرتا تھا۔ لکھنے سے پہلے سوچتا تھا۔ تھوڑے سے لفظوں میں بہت زیادہ باتیں کہہ جاتا۔ وہ کہتا تھا مُشکل باتوں کے اظہار کے لیے ایسی زبان استعمال کی جائے جسے ہر شخص آسانی سے سمجھ لے۔

فارابی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ستّر زبانیں جانتا تھا۔ اگر یہ بات درست نہ بھی ہو تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بہت زیادہ زبانیں جانتا تھا اور اگلے وقتوں میں زیادہ کے اظہار کے لیے عموماً ستّر کا عدد استعمال ہوتا تھا۔

فارابی نے موسیقی سے متعلّق بھی ایک بہُت دِلچسپ اور معلوماتی کتاب لکھی ہے۔ اگلے وقتوں میں اس وقت تک کسی کو عالم نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک وہ اپنے زمانے میں رائج تمام علوم حاصل نہ کر لیتا۔ حکیم بُوعلی سینا کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بہُت عالم فاضل انسان تھے لیکن اُنھیں تسلیم نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ وہ موسیقی نہیں جانتے تھے۔ آخر بُوعلی سینا نے موسیقی کی تعلیم حاصل کی اور اُس میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ ایک ساز ایجاد کیا جسے سینا کے نام کی نسبت سے سینائی کہا گیا۔ بعد میں یہی لفظ بگڑتے بگڑتے شہنائی بن گیا۔

فارابی کے نزدیک علم کی بُنیادی شرط دل کی صفائی ہے۔ وہ ہر فیصلے کو عقل کے ذریعے ثابت کرنا چاہتا ہے اور تجربے کو بہت اہمیّت دیتا ہے۔

فارابی سب سے پہلا اہم فلسفی ہے لیکن اُسے زیادہ شہرت نہ مِل سکی۔اس کی تحریروں سے حوالے اور اقتباسات پیش کرکے اَور لوگ زیادہ مشہور ہو گئے لیکن فارابی کو اُس کا صحیح مقام نہ مِل سکا۔

مَشْق

۱۔ پُرانے زمانے کے لوگ سورج گرہن کو دیکھ کر کیا خیال کرتے تھے؟
۲۔ فارابی نے اپنے فلسفے میں سب سے زیادہ اہمیّت کِس بات کو دی؟
۳۔ کُنیت اور لقب میں کیا فرق ہے؟
۴۔ فارابی نے بغداد کیوں چھوڑا تھا؟
۵۔ فارابی نے اپنی زندگی کے سب سے اچھے دن کِس کے پاس گزارے؟
۶۔ متضاد لِکھیے۔

پرانے ۔غریب ۔مرنا ۔انکار ۔کامیاب ۔رات ۔عالم۔

۷۔ فارابی نے اس بات کو ماننے سے انکار کیا۔
فارابی تجربے کو بہت اہمیّت دیتا ہے۔
فارابی ہر لفظ اور خیال پر غور کرتا تھا۔

اِن جملوں میں انکار کیا، اہمیّت دیتا ہے، غور کرتا تھا، کے الفاظ کو دیکھیے، اِن سے کسی کام کے ہونے یا کرنے کا اشارہ ملتا ہے۔ اسے فعل کہتے ہیں۔

پہلے جملے میں انکار کیا سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کام گزُرے ہُوئے زمانے میں ہُوا۔ ایسے کام کو جو گزُرے زمانے میں کیا گیا ہو فعل ماضی کہتے ہیں۔اس سبق میں سے فعل ماضی کی پانچ مثالیں ڈھونڈ کر لِکھیے

۸۔ اعراب لگائیے۔

گرہن ۔کنیت ۔ارسطو۔ دمشق ۔سیف الدولہ ۔اقتباس۔

پندرہ دِن چِین میں

کچھ عرصہ ہُوا اپنے مُلک کے کچھ ادیبوں کے ساتھ مجھے چین جانے کا موقع مِلا۔ پی۔آئی۔اے کا آرام دہ طیّارہ صُبح سویرے کراچی سے اُڑا اور اُس نے کوئی سات گھنٹے میں ہمیں شنگھائی کے ہوائی اڈّے پر جا اُتارا۔ ہوائی اڈّے پر ایک چینی ادیب اور ادیبہ نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ دونوں ادیبوں کے چہروں پر ایسی مُسکراہٹ تھی جو صرف کسی عزیز سے مِل کر ہمارے چہروں پر بلا اِرادہ اور بے ساختہ ظاہر ہوتی ہے۔ چین والوں کو پاکستان سے اور پاکستان کے باشندوں سے جو محبّت ہے، اس مُسکراہٹ میں ہمیں اس کا عکس نظر آیا۔ ہمارے میزبانوں نے پھُولوں کے دو تازہ گلدستے ہمارے ہاتھوں میں دیے اور ہمیں شنگھائی کے ہوائی اڈّے کے آراستہ و پیراستہ چائے خانے لے جا کر پُر تکلّف چائے پلائی۔

چائے پیتے پیتے میری نظر سامنے لگی ہُوئی گھڑی پر پڑی۔ تھوڑی دیر پہلے میں اپنی کلائی پر بندھی ہُوئی گھڑی میں وقت دیکھ چُکا تھا۔ مجھے احساس ہُوا کہ میری گھڑی اور چائے خانے کی گھڑی کے وقت میں بڑا فرق ہے۔ دیکھا تو میری گھڑی تین گھنٹے پیچھے تھی۔ خیال ہُوا کہ بند ہو گئی ہے لیکن گھڑی کانوں کو لگائی تو معلُوم ہُوا کہ چل رہی ہے۔ میزبانوں میں سے ایک کو میری پریشانی کا اندازہ ہو گیا۔ اُنھوں نے مُسکرا کر کہا چین اور پاکستان کے وقت میں تین گھنٹے کا فرق ہے۔ مجھے بھی یہ بات معلُوم تھی لیکن اُس وقت ذہن سے نکل گئی تھی۔ چینی میزبان کی بات نے سب کچھ یاد دلا دیا اور میں نے اپنی گھڑی کی سُوئیاں گھُما کر اُسے تین گھنٹے آگے کر لیا۔

اتنے میں اعلان ہُوا کہ پیکنگ جانے والا جہاز تیّار ہے۔ میزبانوں میں سے ایک

نے میرا دستی بیگ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور میرے ساتھ جا کر جہاز میں سوار کرا دیا۔ قریباً تین گھنٹے بعد ہوائی جہاز بیجنگ کے ہوائی اڈے پر اُترا۔ میں جہاز سے باہر آیا تو چینی دوستوں کی اُسی محبّت آمیز مُسکراہٹ نے میرا خیر مقدم کیا جو مجھے شنگھائی کے دوستوں کے چہروں پر نظر آئی تھی اور پھر وہی گلدستے کا تحفہ جس کے شاداب اور رنگین پھول میزبان دوستوں کے چہروں کی شادابی اور رنگینی کے ہم رنگ تھے۔

بیجنگ میں بارہ منزل والے ایک آرام دہ ہوٹل میں میرا قیام رہا۔ ہر روز کسی نہ کسی جگہ کی سیر کا انتظام ہوتا تھا۔ سیر کے اس پروگرام میں بیجنگ کی عالی شان عمارتیں دیکھیں۔ چوڑی چکلی سڑکوں پر گھومے پھرے۔ بازاروں میں گئے اور کٹھ پُتلیوں کا تماشا دیکھا۔ اس سے پہلے پاکستان میں بھی دیکھا تھا، لیکن اس تماشے کی شان ہی عجیب تھی۔ یہاں کٹھ پُتلیاں اس طرح کسی کہانی کا کردار بن کر ہمارے سامنے آتی ہیں جیسے سینما یا تھیٹر میں۔ کہانی میں کٹھ پُتلیوں کے کردار بولتے بھی ہیں اور زندگی کا کاروبار اس طرح انجام دیتے ہیں جیسے سچ مُچ کے آدمی! کٹھ پتلیوں کے تماشے میں جنگ کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ ہوائی جہاز اُڑتے ہُوئے آتے ہیں اور بمباری کر کے چلے جاتے ہیں اور تماشا دیکھنے والا یُوں محسوس کرتا ہے کہ وُہ تماشا نہیں بلکہ زندگی کے اصلی اور سچّے مناظر دیکھ رہا ہے۔ یہ مناظر دیکھ کر وُہ بہُت خُوش بھی ہوتا ہے، اس پر ہیبت بھی طاری ہوتی ہے اور وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ اس کے بعد دیکھیے بھلا کیا ہوتا ہے۔ چینیوں نے کٹھ پتلیوں کے تماشے کو سینما اور تھیٹر سے بھی زیادہ دلچسپ اور سبق آموز بنا دیا ہے۔ ہم نے چین میں اور بھی بہُت سی چیزیں دیکھیں اور اُن میں سے ہر چیز کو دیکھ کر یہ اندازہ ہُوا کہ انسان کو خُدا نے وہ قُدرت اور قوّت عطا فرمائی ہے کہ وہ بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہے۔

بیجنگ چین کا دارالحکُومت ہے اور اس کی آبادی نوّے لاکھ کے قریب ہے۔ یہ شہر چینیوں کی جنگِ آزادی کا بہُت بڑا مرکز رہا ہے اس لیے چینیوں نے اپنی آزادی کی یادگار کے طور پر اسے بہُت ترقّی دی۔ اس ترقّی کی ایک مثال بیجنگ

کی وہ عمارتیں ہیں جو اس مُلک کے جفاکش لوگوں نے دس مہینے میں بنائیں۔ انھی میں سے ایک بارہ منزلہ ہوٹل ہے جس میں ہمیں ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بیجنگ کا ریلوے سٹیشن ہے جو میرے خیال میں دُنیا کے بہترین سٹیشنوں میں سے ایک ہے۔ بیجنگ کا عظیمُ الشّان ایوان بھی جس کے مرکزی ہال میں دس ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں اُن دس عمارتوں میں سے ایک ہے۔ بیجنگ کے کئی عجائب گھر بھی جنھیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، اِنھی دس عمارتوں میں شامل ہیں۔ ان دس عمارتوں میں سے ہر ایک عمارت ایسی ہے جسے تعمیر کا معجزہ کہا جا سکتا ہے اور یہ معجزہ اُس قوم کے لوگوں نے انجام دیا ہے جنھیں بعض لوگوں نے مُدّتوں تک افیمچی یعنی افیم کے نشے میں مخمور رہنے والی قوم کے نام سے یاد کیا ہے۔

میرے لیے اور میرے رفیقوں کے لیے وہ دن ایک خاص طرح کی خُوشی اور جوش کا دِن تھا جب ہمیں یہ معلوم ہُوا کہ کل صُبح ہم چین کی وہ مشہور دیوار دیکھنے جا رہے ہیں جس کا نام لیتے ہی ہمارے ذہن میں چین کا نام آتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ "دیوارِ چین"، کوئی اُونچی سی، آسمان سے باتیں کرتی ہُوئی دیوار ہوگی اور جب ہم اپنا سر اُونچا کر کے اُسے دیکھنے کی کوشش کریں گے تو ہمارے سروں پر رکھی ہُوئی ٹوپیاں زمین پر آ گریں گی، غرض اس مشہورِ عالَم دیوار کے متعلّق اپنے ذہنوں میں طرح طرح کی تصویریں بناتے، ہم بیجنگ سے کوئی اسّی کلو میٹر کا سفر موٹروں پر طے کر کے اس جگہ پُہنچے جہاں سے ہمیں دیوار کا نظارہ کرنا تھا۔ سڑک پر جس جگہ جا کر ہماری کاریں رُکیں وہاں ہمیں دو چیزیں نظر آئیں، ایک تو وہ ہزاروں مرد، عورتیں اور بچّے جو ہماری طرح تعمیر کے اس شاندار کارنامے کو دیکھنے آئے تھے اور دُوسری پہاڑوں پر بنی ہُوئی وہ فولادی دیوار تھی جس کے دیکھنے کا شَوق اور ولولہ ہمیں یہاں لایا تھا۔ جہاں تک ہماری نظر کی رسائی تھی پہاڑوں کی چوٹی پر بنی ہُوئی اس آہنی دیوار کے سِوا ہمیں اور کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی اور ہم سوچ رہے تھے کہ آخر اس دیوار کی حد کہاں ہے؟ یہ فصیل جو اپنی مضبوطی کی وجہ سے پتھّروں کی بجائے

لوہے کی بنی ہُوئی معلوم ہوتی تھی، اتنی چوڑی تھی کہ اس پر ایک وقت میں چار سوار پُوری رفتار سے گھوڑوں کو دوڑاتے ہُوئے گزر سکتے تھے۔پہاڑ گھُومتے اور بل کھاتے ہُوئے جدھر کو جاتے یہ فصیل یا دیوار بھی اژدہے کی طرح اس کے سینے سے چمٹی آگے بڑھتی جاتی تھی۔کوئی پُوچھے کہ یہ اژدہا کتنا لمبا ہے؟ تو اس کا جواب سُن کر وہ ششدر رہ جائے۔اِس اژدہے کی لمبائی کوئی ساڑھے چار ہزار کلومیٹر ہے۔یہ چوڑی چکلی فصیل صدیوں سے سینہ سپر ہو کر دُشمنوں کے حملے کا انتظار کر رہی ہے۔اس دور کا انسان بھی کہ جس نے اپنی سائنس کی قوّت سے سمندر، پہاڑ، ریگستان جیسی چیزوں کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا، "دیوارِ چین" کا جواب پیش نہیں کر سکتا۔

بیجنگ کے آس پاس بہُت سی عمارتیں ہیں اور اُن کے علاوہ مقبرے، محل اور باغ بھی ہیں۔اِن سب عمارتوں اور باغوں میں جو جگہ سب سے زیادہ پسند آئی وہ شاہی زمانے کا وہ محل ہے جسے ہم اُردُو میں "قصرِ بہار" کہہ سکتے ہیں۔یہ محل شہر سے دُور ایک خوبصُورت جھیل کے کنارے بنا ہُوا ہے۔جھیل کے کنارے سے یُوں نظر آتا ہے جیسے پریوں کا محل ہے۔کشتیوں میں سوار ہو کر ہم محل کی بارہ دری پر پہنچے اور اس کے اندر کھڑے ہو کر چاروں طرف پھیلے ہُوئے حُسنِ فطرت کا نظّارہ کیا۔جھیل کے تین طرف اب دھان کے لہلہاتے ہُوئے کھیت یُوں نظر آ رہے تھے جیسے کسی نے بڑے اہتمام سے پانی کی روپہلی چادر کے گرد سبز مخمل کا حاشیہ لگا دیا ہو۔"قصرِ بہار" اور اس کا ماحول حسنِ فطرت اور انسانی صنعت و کاری گری کے کمال کا بڑا حَسِین، دل کش اور پُر شکوہ مُرقّع ہے۔

سچ پُوچھیے تو یہ بات چین کی پُوری زندگی کی خصُوصِیّت ہے۔خُدا نے چینیوں کے وسیع و عریض مُلک کو حُسنِ فطرت کی جو فراواں دولت بخشی ہے اِنسان نے اُس میں اپنی محنت اور حُسن کاری سے اور اضافہ کیا ہے۔چینی آج بھی اپنے مُلک کو شکوہ، عظمت اور حُسن کا مرقّع بنانے کے کام میں لگے ہُوئے ہیں۔وہ جو عمارت بناتے ہیں

شاندار ہوتی ہے اور اس کے گرد گھاس کے سرسبز و شاداب میدان اور پھولوں کی رنگین کیاریاں اس کی شان، حُسن اور دلکشی کو اور بھی بڑھا دیتی ہیں۔

پیجنگ کے علاوہ ہم نے چین کے اور کئی بڑے شہر دیکھے۔ ان میں سے ایک کینٹن تھا، ایک شنگھائی، ایک دوہان اور ایک ہانگ چو۔ ان سب شہروں کی مُشترک خصوصیّت یہ ہے کہ وہ شاندار بھی ہیں اور حَسین بھی۔ ملک کو شاندار اور حَسین بنانے کا کام جس طرح بڑے انجام دے رہے ہیں، اُسی طرح بچّے بھی۔ چینی اپنے اپنے شہروں کی سڑکوں کو چوڑا کر رہے ہیں اور اُن کے دونوں طرف درخت لگا کر انھیں خُوبصُورت اور سایہ دار بنا رہے ہیں۔ سڑک کے کنارے پر درخت لگانے کا کام چینی طالب علموں نے اپنے ذمّے لیا ہے۔ طالب علموں کی ٹولیاں ہر روز باری باری سڑکوں کے کنارے آتی ہیں، پھاوڑوں اور کدالوں سے گڑھے کھودتی ہیں اور اُن میں پودے لگا دیتی ہیں۔ ان پودوں کو بڑھ کر درخت بننے کے لیے پانی کی ضرورت ہے، ہم نے چین میں بار بار یہ نظّارہ دیکھا کہ چینی بچّے اور بچّیاں جھیلوں، تالابوں اور نہروں سے پانی بھر بھر کر لا رہی ہیں اور نئے پودوں کو سینچ کر درخت بننے میں مدد دے رہی ہیں۔

چینی بچّے پڑھتے بھی ہیں اور ساتھ ساتھ کارخانوں میں کام بھی کرتے ہیں اور مُلک کی ترقّی کے کاموں میں اپنے بزرگوں کے ساتھ برابر کے حِصّہ دار ہیں۔ یہی حال عورتوں کا ہے۔ وہ کھیتوں میں بھی کام کرتی ہیں اور کارخانوں میں بھی۔ کپڑے سادہ پہنتی ہیں۔ زیور اور سُرخی پوڈر جیسی چیزوں سے اُنھیں کوئی تعلّق نہیں۔ ان کی زندگی کا واحد مَشغَلہ کام اور واحد مَقصَد اپنے مُلک اور قوم کی ترقّی ہے۔ چین جا کر ہر چھوٹے بڑے کو کام میں مشغُول دیکھ کر آدمی سب سے بڑا سبق یہی سیکھتا ہے کہ آدمی کام کے لیے بنا ہے اور یہ کہ دن رات کام میں لگی رہنے والی قوموں کو کوئی نیچا نہیں دکھا سکتا۔

یُوں پندرہ دن چین میں رہ کر میں نے اور بھی کئی سَبَق سیکھے۔ اُن میں سے ایک بڑا سبق یہ ہے کہ انسان کی زندگی ہر طرح کے تکلّفات سے پاک ہونی چاہیے

کہ تکلّفات ہی قدم قدم پر قومی ترقّی کے راستوں میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں - یہی بات ہمارے سچّے دِین نے بھی سکھائی ہے - (ماخوذ)

مَشق

۱- چین کے لوگ پاکستان کے بارے میں کیسے خیالات رکھتے ہیں ؟

۲- مضمون نگار کو چین جا کر یہ احساس کیوں ہُوا کہ اس کی گھڑی بند ہو گئی ہے ؟

۳- چینی اپنی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیّت کام کو دیتے ہیں ، اس سبق میں کون سے ایسے کاموں کا ذکر ہُوا ہے جو چین کے لیے شہرت کا سبب بنے ؟

۴- دیوارِ چین پر ایک پیرا لکھیے -

۵- چین جا کر مضمون نگار نے کیا کیا سبق سیکھے ؟

۶- اپنے جُملوں میں اِس طرح استعمال کیجیے کہ ان کے معنیٰ واضح ہو جائیں -

خیر مقدم - ذہن سے نکل جانا - ہم رنگ - شاداب - ہیبت طاری ہونا -

۷- درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیے -

محبت - انتظام - مناظر - معجزہ - متعلق - فصیل - ششدر - روپہلی - مرقع - مشغول - تکلفات -

۸- اس سبق سے فعل ماضی تلاش کر کے لکھیے -

۹- آنا مَصدر سے "آیا" فعل ماضی ہے - اس کی گردان درج ذیل ہے -

فعل	جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلّم	جمع متکلّم
آیا	مذکّر	وہ آیا	وہ آئے	تُو آیا	تُم آئے	مَیں آیا	ہم آئے
	مؤنّث	وہ آئی	وہ آئیں	تُو آئی	تُم آئیں	مَیں آئی	ہم آئیں

آپ "لانا" مصدر سے فعل "لایا ہے" کی گردان لکھیے -

صُلحِ حُدَیبیہ

ہمارے رسُول حضرت مُحمّدؐ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے جب کُفّارِ مکّہ کو دعوتِ اسلام دی تو کُفّارِ مکّہ کو یہ بات بڑی بُری لگی۔ وجہ یہ تھی کہ کُفّارِ مکّہ میں بہُت سے قبیلے تھے اور ہر قبیلے کا الگ الگ خُدا تھا جِس کا بُت، خانہ کعبہ میں پڑا تھا۔ اِدھر دعوتِ اسلام میں سب سے پہلی شرط ہی یہ تھی کہ بُتوں کی پرستش گناہ ہے، اِنھیں خُدا ماننا چھوڑ دو، یہ نہ تو اپنے آپ کو کوئی فائدہ پہُنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کِسی اور کو۔ کُفّار اِس بات سے بڑے پریشان تھے۔ اس لیے کہ اُن کے باپ دادا جن بُتوں کو صدیوں سے پُوجتے رہے تھے، اُن کے متعلّق ہمارے رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا ارشاد تھا کہ یہ سب جھُوٹے ہیں۔ اِس وجہ سے کافر ہمارے رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے دُشمن بن گئے۔ اُنھیں یہ خطرہ تھا کہ محمّدؐ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم جو تمام عرب میں نہایت ہی شریف، نیک اور امانت دار مشہور ہیں، ایک نہ ایک دن اُن کے جھُوٹے خُداؤں کو ختم کر کے لوگوں کو خدائے واحد کی عبادت کا قائل کر دیں گے۔ لہٰذا تمام قبیلوں نے مِل کر حضرت محمّدؐ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے قتل کا منصوبہ بنایا، مگر حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے قتل کی ذمّہ داری کوئی ایک قبیلہ اکیلا اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا یہ طے ہُوا کہ اِس ناپاک منصوبے میں ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی شریک کیا جائے۔ اِس فیصلے کے بعد اُن لوگوں نے ایک رات ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے گھر کا محاصرہ کر لیا تاکہ جُونہی نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم گھر سے باہر تشریف لائیں سب مِل کر اُن پر حملہ کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو قریش کے اِس ارادے سے

باخبر کر دیا۔ چُنانچہ ایک شب آپؐ نے ہجرت کا قصد فرمایا۔ اُس رات کُفّار کے تمام قبیلوں سے چُنے ہُوئے افراد نے مِل کر حضرت محمّد صلّی اللہ عَلَیہ و آلِہٖ وَسَلَّم کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن ہمارے رسُول صلّی اللہ عَلَیہ وَآلِہٖ وَسَلَّم اُن کے محاصرے سے ذرا خائف نہ ہُوئے اور اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو لوگوں کی امانتیں سپُرد کیں اور اُنھیں اپنے بستر پر سُلا دیا۔ اِس کے بعد اپنے سچّے دوست حضرت ابُوبکر صِدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کے ساتھ خاموشی سے مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔
جب کُفّار نے حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ و آلِہٖ وَسَلَّم کی بجائے بستر پر حضرت علیؓ کو دیکھا تو اُنھیں بڑی شرمندگی ہُوئی۔ پھر مکّہ کے مُسلمانوں نے بھی حضُور صلّی اللہ علیہ و آلِہٖ وَسَلَّم کے حُکم پر مکّہ چھوڑ کر مدینے میں سکونت اختیار کر لی۔ تاریخ میں اِسے ہجرت کہا جاتا ہے۔ سِنِ ہجری کا آغاز بھی اسی سال سے ہُوا۔

مہاجر مُسلمان پُورے چھ سال تک اپنے وطن مکّہ واپس نہ جا سکے۔ اِس چھ سال کے عرصے میں اِسلام کی اشاعت بڑی تیزی سے ہُوئی۔ چُنانچہ اُنھوں نے ایک اسلامی حکُومت کی داغ بیل ڈال دی۔ اُدھر مکّہ میں یہودیوں اور قُریش کے درمیان یہ مُعاہدہ ہُوا کہ عرب میں اسلام کی اشاعت کو یکسر ختم کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے بہت سے منصُوبے بنائے۔ جو بھی اسلام کا نام لیتا اُسے اذِیّتیں دی جاتیں۔ پھر بھی لوگ اِسلام قبول کرنے کے لیے جوق در جوق مدینے جاتے رہتے۔ آخر چھ سال کے بعد وہ دن بھی آگیا کہ حضرت مُحمّد صلّی اللہ علیہ و آلِہٖ وَسَلَّم نے مکّہ جا کر خانہ کعبہ کی زیارت اور حج کا اِرادہ فرمایا۔ آپؐ نے چودہ سو مُسلمانوں کو ہمراہ لیا اور مکّہ کی طرف چل پڑے۔

جب یہ خبر مکّہ پُہنچی تو کافروں اور یہُودیوں نے مُسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کُن جنگ کی تیّاریاں شروع کر دیں۔ کفّار کا ایک جنگی دستہ مُسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے مکّہ سے باہر نِکل آیا، مگر مُسلمانوں نے اپنا رستہ بدل دیا اور حُدیبیہ چلے گئے۔ یہ مکّہ سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں مُسلمانوں نے خیمے لگا کر احرام باندھے تاکہ دُشمنوں کو اچھی طرح معلُوم ہو جائے کہ وہ جنگ و جدل کی غرض سے نہیں بلکہ حج کی نیّت سے مکّہ جانا

چاہتے ہیں۔ کفّار نے فیصلہ کیا کہ مُسلمانوں کو مکّہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اُنھوں نے اپنا ایک سفیر بدیل نامی مسلمانوں کی طرف بھیجا تاکہ وہ یہ معلوم کرے کہ مسلمانوں کی اتنے بڑے لشکر کے ساتھ مکّہ آنے کی غرض کیا ہے۔ بدیل نے حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے مکّہ آنے کی غرض پُوچھی۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اِس سفر کی غرض صرف زیارتِ کعبہ ہے، لڑائی نہیں۔ ہاں اگر ہمیں کوئی حج کرنے سے روکے گا تو پھر ہم لڑیں گے۔"

بدیل نے مکّہ واپس جا کر کفّار کو بتایا کہ مُسلمان لڑنے کی غرض سے نہیں بلکہ کعبہ کی زیارت کو آئے ہیں۔ قُریش کو یقین نہ آیا۔ اُنھوں نے یکے بعد دیگرے جلیس اور مروہ بن مسعُود کو بھی حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی خدمت میں یہی سوال پُوچھنے کے لیے بھیجا۔ اُنھوں نے بھی واپس جا کر وہی کچھ کہا جو بدیل نے کہا تھا، مگر قریش کی نیّت خراب تھی۔ اپنے سفیروں کے جوابوں سے اُن کی تسلّی نہ ہُوئی۔ حضُور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے اپنے دوست حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کی طرف بھیجا تاکہ جا کر کفّار کو یقین دلائیں کہ مُسلمان صِرف زیارت کی غرض سے آئے ہیں۔

ابھی حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کفّار سے بات چیت کر کے واپس نہیں آئے تھے کہ کفّار مکّہ کے ہاتھوں اُن کے قتل کی افواہ پھیل گئی۔ اِس خبر سے مُسلمان بہُت پریشان ہُوئے۔ حضُور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم فوراً اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر یہ اعلان فرمایا کہ عثمانؓ کے قتل کا بدلہ قریش سے ضرور لیا جائے گا۔ تمام مُسلمانوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کے قتل کا بدلہ لینے اور اِس مقصد کی خاطر اپنی جان تک قُربان کرنے کا عہد کیا۔ اِس عہد کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے جب مُسلمانوں میں جوش و خروش کا ایسا مُظاہرہ دیکھا تو وحی کے ذریعے اپنی رضا مندی ظاہر فرمادی۔

اب مُسلمان جنگ کی تیّاریاں کرنے لگے۔ جب مکّہ میں قُریش کو یہ معلوم ہُوا تو اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل کی تردید کی اور اعلان کیا کہ مُسلمانوں کے سفیر حضرت عثمان

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ اُن کی قید میں ہیں۔ پھر اُنھوں نے صُلح کی غرض سے سہیل بن عمر کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ کافی بحث کے بعد کُفّارِ مکّہ اور مُسلمانوں کے درمیان چند شرائط پر صُلح ہو گئی۔ اِس شرائط نامے کی دفعات یہ تھیں:

۱- مُسلمان اِس سال حج کیے بغیر واپس جائیں گے۔

۲- اگلے سال مُسلمان حج کے لیے آئیں گے، مگر مکّہ میں صرف تین دِن قیام کریں گے۔

۳- مُسلمان جنگ کے اسلحے سے لیس ہو کر نہیں آئیں گے، بلکہ صرف تلواریں ساتھ لائیں گے اور وہ بھی نیاموں میں ہوں گی۔

۴- مکّہ میں جو لوگ اِسلام قبول کریں گے وہ اُنھیں اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ کوئی مُسلمان اگر مکّہ میں رہنا چاہے گا تو وہ اُسے بھی نہ روکیں گے۔

۵- مکّہ کے کافروں یا مُسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو مُسلمان اُسے واپس کریں گے۔

۶- عرب قبائل دونوں فریقوں میں سے جس سے چاہیں اپنی مرضی سے تعلّقات رکھ سکتے ہیں۔ اُنھیں اِس سلسلے میں پُورے پُورے اختیارات ہیں۔

۷- اس معاہدے کی مُدّت دس سال ہو گی۔ اس عرصے میں دونوں فریق ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔

تاریخِ اِسلام میں اس معاہدے کو صُلح حُدیبیہ کے نام سے یاد جاتا ہے کیونکہ یہ شرائط نامہ حُدیبیہ کے مقام پر طے ہُوا تھا۔ صُلح حدیبیہ کی شرائط سے بُہت سے مُسلمانوں کو اتّفاق نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ معاہدہ کُفّار کے حق میں ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس تھی اگرچہ ظاہری طور پر یہ کافروں کے حق میں معلوم ہوتا تھا۔

جب اِس شرائط نامے کو قرآنِ پاک نے ایک بہت بڑا فتح نامہ قرار دیا تو تمام مُسلمانوں کو اطمینان ہو گیا۔ پھر اس کے اثرات بھی آہستہ آہستہ ظاہر ہونے شروع ہُوئے۔ اس شرائط نامے کی رُو سے مُسلمانوں کو مکّہ میں خاصی آزادی مِل گئی۔ جو لوگ کُفّار سے ڈر کر چوری چھُپے مُسلمان ہُوئے تھے، اُنھوں نے بھی اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور اب مُسلمان

ہونے پر فخر کرنے لگے۔ اِس کے علاوہ کُفّارِ مکّہ نے مُسلمانوں کو عرب میں ایک جماعت اور ایک فریق کی حیثیّت سے تسلیم کر لیا۔ اِس معاہدے کے بعد مُسلمان اور کافر آپس میں مِلنے جُلنے اور تبادلۂ خیال کرنے لگے۔ کافروں نے بڑے نزدیک سے مُسلمانوں کی عبادت کے طور طریقے دیکھے اور اُن کے کردار کا مُطالعہ کیا۔ اِس طرح مُسلمانوں کو اِسلام کے اصُولوں کی تبلیغ کا موقع مِلا۔ صُلح حُدیبیہ کی وجہ سے مُسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک عرصہ سے جو جنگیں اور دُشمنیاں چلی آتی تھیں وہ بھی ختم ہو گئیں۔ اِن سب باتوں سے اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد ملی، چُنانچہ انھی دنوں اسلام کے سچّے اصُولوں سے متاثّر ہو کر خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ بھی مُسلمان ہُوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ صُلح حُدیبیہ کے بعد ہی صحیح معنوں میں اطمینان اور آزادی سے مذہبِ اسلام کی اشاعت ہُوئی۔ صُلح حُدیبیہ کی وجہ سے امن قائم ہو گیا تھا اور کِسی معاشرہ کی ترقّی کے لیے امن و اَمان کی فضا کا ہونا بہُت ضروری ہے۔ اس زمانہ میں حضوُر صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وَسَلَّم نے مُختلف حکومتوں کو اپنے سفیر بھیجے جن کے ذریعے خُدا کا پیغام دُنیا کے انسانوں تک پُہنچایا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صُلح حُدیبیہ تاریخِ اسلام میں گفُت و شُنید سے مسائل حل کرنے کی ایک بہترین مثال ہے۔

مشق

۱۔ جب کفّارِ مکّہ نے حضرتِ محمّد صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وَسَلَّم کے قتل کا ناپاک منصُوبہ بنایا تو ہمارے نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وَسَلَّم نے کون سے انتظامات کر کے مدینہ کو ہجرت کی؟

۲۔ مکّہ کے سفر کے دوران ہمارے رسول صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وَسَلَّم کِس مقام پر ٹھہرے؟

۳۔ حضرت عُثمانِ غنی رضی اللہ عنہُ کے قتل کی جھُوٹی خبر سُن کر رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وَسَلَّم نے کیا فیصلہ کیا؟

۴۔ صُلح حُدیبیہ کی شرائط کیا تھیں ؟
۵۔ اِس صُلح نامے کے نتائج بیان کیجیے۔
۶۔ اُن سفیروں کے نام بتائیے جو کُفّارِ مکّہ نے مُسلمانوں کی طرف بھیجے۔
۷۔ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قُریش کے سفیروں کو کیا جواب دیا ؟
۸۔ سنِ ہجری سے کیا مُراد ہے ؟ آج کل کون سا سنِ ہجری ہے ؟
۹۔ واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیے۔
کُفّار ۔ شرائط ۔ لفظ ۔ خبر ۔ اثرات ۔ قبیلہ ۔ فائدہ ۔ شک ۔
۱۰۔ خالی جگہ پُر کیجیے۔ وہ آگیا ہو گا۔
وہ ـــــــ ہوں گے ۔ تُو ـــــــ ہوگا ۔ تُم ـــــــ ہو گے ۔
میں ـــــــ ہوں گا ۔ ہم ـــــــ ہوں گے ۔ سعیدہ ـــــــ
عورتیں ـــــــ
۱۱۔ اِعراب لگائیے :
پرستش ۔ محاصرہ ۔ اذیت ۔ حدیبیہ ۔ بیعت ۔ گفت وشنید ۔
۱۲۔ درُست جواب کا انتخاب کیجیے ۔
(ل) سنہ ہجری کا آغاز کب ہُوا ؟ (حضُورؐ کی ہجرت سے ، فتح مکّہ سے ، صُلح حُدیبیہ سے)
(ب) صُلح حُدیبیہ کب ہُوئی ؟ (ہجرت کے پانچ سال بعد ، چھ سال بعد ۔ سات سال بعد)
(ج) حُدیبیہ کا مقام مکّہ سے کتنے فاصلے پر ہے ؟ (دس کلو میٹر ۔ تیرہ کلو میٹر ۔ پندرہ کلو میٹر)
(د) حُدیبیہ کے مُعاہدے کی مُدّت کتنی قرار پائی تھی ؟ (پانچ سال ۔ سات سال ۔ دس سال)
۱۳۔ اِس سَبق سے اسمِ عَلَم چُن کر لکھیے۔
۱۴۔ آپ جانتے ہیں اسمِ معرفہ کی چار قسمیں ہیں ۔ اسمِ عَلَم اور اسمِ ضمیر کے بارے میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں ۔ ان جُملوں پر غور کیجیے ۔ یہ کتاب نئی ہے ۔ وہ مینار اُونچا ہے۔ اُس درخت کے پاس جاؤ ۔ اِس لڑکے سے پُوچھو ۔ اِن جُملوں میں یہ ، وہ ، اُس ، اِس اسمِ اشارہ ہیں ۔ یہ اسمِ معرفہ کی تیسری قسم ہے۔

کمان

ایک بُوڑھا، نحیف و خستہ و زار
اِک ضرورت سے جاتا تھا بازار
ضُعفِ پیری سے خم ہُوئی تھی کمر
راہ، بے چارہ چلتا تھا جُھک کر
چند لڑکوں کو اُس پہ آئی ہنسی
قد پہ پھبتی کمان کی سُوجھی
کہا اِک لڑکے نے یہ اُس سے کہ بول
تُو نے کِتنے کو لی کمان یہ مول
پِیرِ مردِ لطیف و دانش مند
ہنس کے کہنے لگا کہ اے فرزند

پہنچو گے میری عُمر کو جس آن
مُفت مِل جائے گی تمھیں یہ کمان

(اکبر الہ آبادی)

مشق

۱۔ اِس نظم میں جو واقعہ بیان ہُوا ہے اُسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔
۲۔ اِس نظم میں شاعر نے مذاق مذاق میں کون سی نصیحت کی ہے؟
۳۔ دُوسرے شعر کی نثر کیجیے۔
۴۔ اعراب لگائیے۔
نحیف۔ خستہ۔ ضعف۔ خم۔ فرزند۔
۵۔ پیری، نحیف، خستہ و زار، ان الفاظ پر غور کیجیے۔ یہ ایسے الفاظ ہیں جو کسی شخص کی ذاتی صفت یا خُوبی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اُنھیں صفتِ ذاتی کہتے ہیں۔ آپ بھی اس نظم سے چند صفتِ ذاتی تلاش کر کے لکھیے۔
۶۔ اِس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔

لانس نائیک لال حسین شہید (تمغۂ جرأت)

پلاٹون کمانڈر نے چند جوانوں کو بُلا کر توپوں کے گولوں کی برستی ہُوئی آگ میں کہا:

"اِس مورچے پر جنگ کے حالات سے تُم لوگ بخوبی واقف ہو۔ دُشمن نے ہماری چوکی پر قبضہ کرنے کے بعد آگے بڑھنا شروع کر دیا ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو شاید ہمیں چند گھنٹوں میں یہ چوکی بھی خالی کرنا پڑے، کیونکہ دُشمن کی تعداد بہُت زیادہ ہے۔"

ایک جوان نے آگے بڑھ کر فوجی سلام کیا اور پُوچھا۔

"جناب دُشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے کوئی تدبیر بھی ہے؟"

کمانڈر بولا:

"مُسلمان اللہ کا سپاہی ہے۔ ہم اب بھی دُشمن کے دانت کھٹّے کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم میں سے کوئی ایک جوان جُرأت اور بہادری کا مُظاہرہ کرے۔"

جوان ایک قدم اور آگے بڑھا اور سینہ تان کر بولا:

"جناب میں اپنے آپ کو ہر حُکم کی تعمیل کے لیے پیش کرتا ہُوں۔"

"شاباش مُجھے اپنے بہادر اور دلیر سپاہیوں سے یہی اُمّید تھی۔ تو پھر تُمھیں اُس چوکی تک جانا ہو گا جو دُشمن نے صُبح ہی ہم سے چھینی ہے اور پھر اُس کا صفایا کر کے بڑے دستے سے مِلنا ہو گا تاکہ ہم دُشمن کی پیش قدمی کو روک سکیں۔"

"مجھے منظور ہے۔" یہ کہہ کر جوان نے اپنی سٹین گن اُٹھائی، کمر سے دستی بموں کی پٹّی باندھی اور دونوں ایڑیاں ملا کر ایک زور دار فوجی سلام کرتے ہُوئے اپنے مورچے سے رینگتا ہُوا برستی ہُوئی آگ میں نِکل گیا۔

یہ جوان لانس نائیک لال حسین تھا جو آہستہ آہستہ رینگتا ہُوا چوکی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کے سر پر سے توپوں کے گولے گزر رہے تھے۔ لوہے اور آگ کی اِس

جنگ میں کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی تھی۔ دُشمن کے ہوائی جہاز غوطے مار مار کر گولیاں برسا رہے تھے۔ ایک قیامت کا سماں ہر طرف نظر آتا تھا۔

اسٹین گن ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑے ہُوئے اور کمر کے ساتھ دستی بم باندھے ہُوئے لانس نائیک لال حسین دو گھنٹے مسلسل رینگنے کے بعد اُس چوکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ دُشمن نے اسے اپنی پہرہ چوکی بنایا ہُوا تھا اور اس کے پار بہُت بڑا خندقی مورچا تھا۔ لانس نائیک لال حسین چوکی تک پہنچا تو اُس کا خون کھولنے لگا۔ اُسے یاد آیا کہ آج صُبح تک اِس چوکی کی چوٹی پر اس کے عزیز مُلک پاکستان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے فوراً اپنی کمر سے ایک دستی بم علیحدہ کیا اور "اللہ اکبر" کہہ کر چوکی کے اس پار کھڑے ہُوئے دو سنتریوں پر بم پھینکا۔ بم پھٹا اور سنتری وہیں ڈھیر ہو گئے اور لال حسین چھلانگ لگا کر چوکی میں گھُس گیا۔ اس نے نہایت جرأت اور ہمّت سے دُوسرا بم کھولا اور چوکی کے اُس پار کھڑے ہُوئے سنتریوں کو نشانہ بنایا۔ اب چوکی آزاد تھی۔ وہ رینگتا ہُوا دُشمن کے خندقی مورچے کے قریب پہنچ گیا۔

اِس دوران میں لال حسین کی امدادی پارٹی بھی وہاں آ پہنچی اور سب نے مِل کر خندقی مورچے پر دستی بم پھینکنا شروع کر دیے۔ دُشمن اچانک حملہ سے گھبرا گیا۔ لانس نائیک لال حسین نے دیوانہ وار دشمن کے مورچے پر ایسے تاک تاک کر نشانے لگائے کہ مورچے میں چھُپے ہُوئے دشمن سپاہیوں کا صفایا کر دیا۔

اب دشمن کا خندقی مورچہ تباہ ہو چُکا تھا۔ لانس نائیک لال حسین کے سپُرد جو کام ہُوا تھا وُہ مکمّل ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنا فرض پُورا کر دیا مگر قریب ہی دُشمن کی دُوسری چوکی ہماری پلاٹون کے دوسرے گروپ سے لڑ رہی تھی۔ لال حسین نے محسوس کیا کہ ہمارا دوسرا گروپ کمزور ہے اور دشمن اُسے تباہ کرنے کے لیے بھرپور حملے کر رہا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر دشمن کی اگلی چوکی کی طرف پیٹ کے بل رینگنے لگا اور جب قریب پہنچا تو دشمن پر اپنی اسٹین گن سے اندھا دُھند فائرنگ شروع کر دی۔ اس کے ساتھی برابر فائرنگ کرتے رہے اور لال حسین رینگتا ہُوا دشمن کی چوکی کے بالکل قریب

پہنچ گیا۔ اُس نے اپنی کمر سے دستی بم کھولا اور پھر فضا میں ایک نعرہ گونجا اور لال حسین نے دشمن کی چوکی پر بم دے مارا۔

اِس اچانک حملے نے دشمنوں کی صفوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ لال حسین اور اُن کے ساتھی ایک دم کھڑے ہو گئے اور اسٹین گنوں سے دُشمنوں کو چھلنی کرنے لگے۔ قریب ہی دشمن کی ایک اور چوکی سے ایک سنسناتی ہُوئی گولی آئی اور لانس نائیک لال حسین کو بُری طرح زخمی کر گئی، مگر اُس نے ہمت نہ ہاری اور برابر اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھاتا رہا۔ اُسے اپنے زخموں کی بالکل پروا نہ تھی۔ اسے خیال تھا تو بس یہی کہ دُشمن کو اپنے پاک وطن کی سرحدوں سے دُور رکھے۔ اُسے فکر تھی تو صِرف یہی کہ اُس کے پیارے مُلک پاکستان کی ایک انچ زمین بھی دُشمن کے قبضے میں نہ جائے۔ اُس کے زخموں سے خون بہتا رہا اور وہ برابر اپنے ساتھیوں کی ہمّت بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑا۔ اُس کے ساتھی اُسے اُٹھا کر پیچھے لائے مگر وہ بار بار یہی کہتا تھا۔

"مُجھے میرے اللہ کے بھروسے پر چھوڑ دو اور جاؤ دشمن کو مکمّل طور پر ختم کرنے کا فرض پورا کرو۔" ساتھیوں نے بہت کہا کہ ہم تمھیں مرہم پٹّی کے لیے واپس لے جانا چاہتے ہیں، مگر لانس نائیک لال حسین نے مرہم پٹی سے انکار کر دیا اور یہی کہا کہ "جاؤ دشمن کو ختم کرو۔"

آخر ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "لال حسین تُمھاری ہمّت اور جُرأت کی وجہ سے دشمن ختم ہو چُکا ہے۔" لال حسین نے یہ الفاظ ضرور سُنے ہوں گے، کیونکہ جب اُس کی رُوح اُس کے جسم سے نِکل رہی تھی تو اُس کے لبوں پر یہ الفاظ تھے۔

"اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ مَیں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔"

یہ تھے آخری الفاظ لانس نائیک لال حسین شہید کے، جس کے بعد اُس نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ لانس نائیک لال حسین شہید کی جرأت، جوانمردی اور اعلیٰ پایہ کی فرض شناسی نے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں وہ مثال قائم کی کہ قوم اسے کبھی نہیں بھُول سکتی۔ جُرأت کے اِس اعلیٰ مُظاہرے پر حکومتِ پاکستان نے اسے بعد از شہادت تمغۂ جرأت عطا کیا۔

مشق

۱- پلاٹون کمانڈر نے جوانوں کو بُلا کر کیا کہا ؟
۲- جب ایک فوجی نے دشمن پر فتح حاصل کرنے کی تدبیر پُوچھی تو پلاٹون کمانڈر نے کیا جواب دیا ؟
۳- لانس نائیک لال حسین شہید کو اُس کے کارنامے پر حکومت نے کون سا تمغہ عطا کیا ؟
۴- لانس نائیک لال حسین شہید نے دُشمن کی چوکی کو کس طرح تباہ کیا ؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔
۵- لانس نائیک لال حسین شہید کی طرح ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہمارے دوسرے بُہت سے جوان بھی شہید ہُوئے۔ اُن میں سے کسی ایک کا حال بیان کیجیے۔
۶- مندرجہ ذیل الفاظ اور مُحاورے اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے۔
چیدہ چیدہ ۔ دلیر ۔ کان پڑی آواز نہ سنائی دینا ۔ دیوانہ وار ۔ تاک تاک کر ۔ قیامت کا سماں ۔ ہمّت بڑھانا ۔ تاب نہ لانا۔
۷- دیے ہُوئے الفاظ کے ایسے جوڑے بنائیے جن میں واضح تعلّق موجود ہو۔
توپ ۔ اسٹین گن ۔ پہرہ ۔ گولی ۔ گولہ ۔ سنتری۔
۸- اِس سبَق سے فعل ماضی کی دس مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔
۹- اِس جُملے پر غور کیجیے ۔ رُکو مَت جلدی کرو ۔ اسے پڑھ کر معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ اب اِس جُملے کی یہ صُورتیں دیکھیے : رکو، مت جلدی کرو ۔ رکو مت، جلدی کرو۔ ان دونوں صُورتوں میں معنی ایک دُوسرے سے مختلف ہیں لیکن ہر صورت میں معنی واضح ہیں۔ معنی کی یہ وضاحت اُلٹی واؤ (،) کے استعمال سے ہُوئی ہے جسے وقفہ کہتے ہیں ۔ نیچے دیے ہُوئے جُملوں میں صحیح جگہ وقفہ لگائیے۔
(ا) شاہد بھائی جان سے پڑھتا ہے۔

(ب) اسلم نثار اور امجد کے ساتھ کھیلتا ہے۔
(ج) مورچے میں چھپے ہوئے دشمن ایک ایک کر کے بھاگ گئے۔
(د) اس چوکی کی چوٹی پر جہاں اب دشمن کا قبضہ ہے صبح تک پاکستان کا پرچم لہرا رہا تھا۔
(ہ) لوہے بارود اور آگ کی اس جنگ میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

۱۰۔ اسمِ معرفہ کی چوتھی قسم اسمِ موصول ہے۔ یہ اسم ناتمام ہے کہ جب تک اس کے ساتھ کوئی اور جملہ نہ لگایا جائے، یہ معنی نہیں دیتا۔ یہ کسی اسم کی حالت، کیفیت یا پتا بیان کرتا ہے مثلاً "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ جہاں رہو خوش رہو" ان جملوں میں "جیسا" اور "جہاں" اسمِ موصول ہیں۔ اسمِ موصول کے بعد جو جملہ آتا ہے اُسے صلہ کہتے ہیں۔

۱۱۔ احمد پڑھتا ہے۔ تسنیم لکھ رہی ہے۔ نسرین کپڑے سیتی ہے۔ اِن جملوں میں پڑھنے، لکھنے اور سینے کے کام کا موجودہ زمانے میں کرنا یا ہونا پایا جاتا ہے۔ ایسے افعال کو جن میں موجودہ زمانے میں کسی کام کا کرنا، ہونا یا سہنا پایا جائے فعل حال کہتے ہیں۔ 'لکھتا ہے'، کی گردان درج ذیل ہے۔

فعل	جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلّم	جمع متکلّم
لکھنا	مذکّر	وہ لکھتا ہے	وہ لکھتے ہیں	تُو لکھتا ہے	تُم لکھتے ہو	میں لکھتا ہوں	ہم لکھتے ہیں
(لکھتا ہے)	مؤنّث	وہ لکھتی ہے	وہ لکھتی ہیں	تُو لکھتی ہے	تُم لکھتی ہو	میں لکھتی ہوں	ہم لکھتی ہیں

آپ "پڑھتا ہے" کی گردان لکھیے۔

خدمتِ خلق

مدینہ مُنوّرہ کی سرزمین قحط کا شکار ہے۔ سختی کے دن ہیں۔ مدینے والوں کو بڑی مُشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اسی دوران مُلک شام سے ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں داخل ہوتا ہے۔ یہ قافلہ ایک ہزار اُونٹوں پر مشتمل ہے اور ہر اُونٹ غلّے سے لدا ہُوا ہے۔

یہ سارا غلّہ حضرت عثمان غنیؓ کی ملکیّت ہے جو ابھی خلیفہ مقرر نہیں ہُوئے ہیں بلکہ ایک عام شہری کی حیثیّت سے مدینہ میں مُقیم ہیں۔ مدینے کے بہت سے تاجر آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ غلّہ ہمارے ہاتھ فروخت کر دیجیے تاکہ ہم مدینے کے قحط زدہ لوگوں کی ضرورت پُوری کر سکیں۔ آپ فرماتے ہیں، "بڑی خُوشی کے ساتھ لیکن یہ بتاؤ کہ مُجھے نفع کتنا دو گے؟" وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم آپ کو دوگنا نفع دینے کو تیار ہیں۔

حضرت عثمانؓ یہ سُن کر مُسکراتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں، "یہ نفع بہُت کم ہے مجھے اس سے زیادہ کی پیش کش ہو چُکی ہے۔" وہ حیران رہ جاتے ہیں کہ مدینے میں اتنی اُونچی بولی والا کون پیدا ہو گیا، چُنانچہ آپ سے کہتے ہیں:

"اے عثمان! مدینے کے سارے بڑے بڑے تاجر اِس وقت آپ کے سامنے موجُود ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہم سے قبل کوئی تاجر آپ سے مِلا بھی نہیں۔ پھر یہ کون شخص ہے، جو آپ کو اتنی بڑی قیمت ادا کر رہا ہے؟"

آپ فرماتے ہیں۔ "اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایک کے دس دے گا۔ کیا تُم یہ قیمت ادا کر سکتے ہو؟" تاجر خاموش ہو جاتے ہیں۔ حضرتِ عثمانؓ اُسی وقت اعلان فرماتے ہیں کہ یہ سارا غلّہ اللہ کی راہ میں فقیروں اور مسکینوں کے لیے صدقہ ہے۔

یہ خُدا کی مخلوق سے ہمدردی کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ انسانی زندگی کا بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ فرد صرف اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ پوری جماعت کے لیے زندہ رہے۔ اِس دُنیا میں سب لوگ تو خوشی اور چین سے زندگی بسر نہیں کرتے۔ کوئی بھُوک کا شکار ہے تو کوئی بیماری اور ناداری کی چکّی میں پس رہا ہے بلکہ بعض اوقات تو ہنستے کھیلتے گھرانے اچانک کسی مُصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہمارا دین ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم مُصیبت زدہ انسانوں کی مدد کریں۔

ہمارے شہر اور محلّے میں بہُت سے بیمار، اپاہج، بُوڑھے، نادار اور یتیم موجود ہوں گے جن کی ہم کئی طرح سے مدد کر سکتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دُنیا کی دولت سے نوازا ہے تو ہم ناداروں، بیواؤں اور اپاہجوں کی حاجت پُوری کر سکتے ہیں۔ غریب لڑکیوں کی شادی کے موقع پر اُن کی مدد کر سکتے ہیں۔ بے یار و مددگار طلبہ کو تعلیم جاری رکھنے کے لیے امداد دے سکتے ہیں۔ یتیم بچّوں کے لیے گرمی اور سردی کے کپڑوں کا انتظام کر سکتے ہیں۔ غرض ہمارے دل میں انسانی ہمدردی کا جذبہ موجود ہو تو خدمتِ خلق کے بہُت سے راستے کھُلے ہیں۔

حضرت رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم محتاجوں اور مُصیبت زدوں کا بہُت خیال رکھتے تھے۔ آپ دوست اور دُشمن دونوں کے لیے رحمت اور مہربانی کا پیکر تھے۔ ایک دفعہ مکّہ میں خُشک سالی کی وجہ سے زبردست قحط پڑ گیا۔ ابُوسُفیان آپؐ کی خدمت میں اپنی قوم کی درخواست لایا کہ خُدا سے دُعا کیجیے کہ یہ مُصیبت دُور ہو۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن کی شرارت سے مسلمانوں کی زندگی عذاب میں تھی، جنھوں نے تین سال تک آپؐ کو شعبِ ابی طالب میں بند رکھا اور اس بات تک کے روادار نہ تھے کہ آپ کے پاس غلّے کا ایک دانہ بھی پہنچے۔ مگر اس مُصیبت کے وقت آپؐ نے مُسلمانوں کے دُشمنوں کی درخواست کو نہیں ٹھکرایا اور اُنھیں کوئی طعنہ بھی نہیں دیا۔ آپؐ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے کیونکہ آپ خُدا کی ساری مخلوق سے محبّت فرماتے تھے۔ آپؐ کی دُعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی مُصیبت دُور فرما دی۔ حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے تو اپنی زندگی

خِدمتِ خلق کے لیے وَقف کر رکھی تھی۔ آپ مکّہ کے مُتموّل تاجروں میں سے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرتِ ابُوبکرؓ ضعیفوں، ناتوانوں اور محتاجوں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مدینہ میں ایک اندھی محتاج بُڑھیا رہا کرتی تھی جس کی خبرگیری حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ پھر ایسا ہونے لگا کہ حضرت عمرؓ کے پہنچنے سے قبل ہی کوئی شخص اُس بڑھیا کا سارا کام کاج کر جاتا تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ یہ راز معلوم کرنے کے لیے بہت سویرے بُڑھیا کے جھونپڑے میں پہنچے تو دیکھا خلیفۂ رسُول حضرت ابُوبکر صدیقؓ وہاں کام میں مصرُوف ہیں۔

حضرت عمرؓ کا بھی یہ شغل تھا کہ راتوں کو بھیس بدل کر خاموشی سے شہر کا چکّر لگایا کرتے تھے اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ یہ خلیفہ اور حاکمِ وقت ہیں۔

قرآنِ کریم میں نیک لوگوں کی یہ صفت بیان ہُوئی ہے۔" اِن کے مال میں ضرورت مند اور مُصیبت زدہ شخص کا حق ہُوا کرتا ہے۔" حضُور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا بھی ارشاد ہے: "جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پُوری کرے گا خُدا اُس کی ضرورت پُوری کرے گا۔" آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "بیوہ اور غریب کے لیے دوڑ دُھوپ کرنے والا مجاہد کی طرح ہے اور اس شخص کے برابر ثواب پاتا ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہو اور رات بھر نماز پڑھتا ہو۔"

مخلوقِ خُدا کے ساتھ ہمدردی کرنے کے بہُت سے ایسے طریقے بھی ہیں جن میں مال و دولت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ سمجھنا غَلَط ہے کہ صرف روپے پیسے ہی سے دُوسروں کی مدد کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی بیمار ہے تو ہم اس کی خبرگیری اور عیادت سے اس کی دِل جُوئی کر سکتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کام بھی خدمتِ خلق کی ذیل میں آتے ہیں جیسے کسی زخمی کو ہسپتال پُہنچانا، سفر کے دوران دُوسروں کو جگہ دینا۔ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دینا۔ یہ ایسے کام ہیں جنھیں چھوٹے بڑے سبھی انجام دے سکتے ہیں۔

ہمارا دین صِرف انسانوں ہی سے نہیں خُدا کی ساری مخلوق سے ہمدردی کا سبق دیتا ہے۔ حضور صلّی اللہ عَلَیہ و آلہٖ وسلّم نے جانوروں پر بھی رحم کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کی طرف سے کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچے ۔ دل آزاری ہر لحاظ سے گناہ ہے ۔

ہمدردی اور خدمت کے اِس اُصول پر غور کیا جائے تو اِس میں ایک نہایت اہم نکتہ پوشیدہ نظر آتا ہے ۔ دراصل مُصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا ایک طرح سے خود اپنی ہی مدد کرنا ہے ۔ ہر انسان پر اچھا اور بُرا وقت آتا ہے ۔ اگر آج ہم مُصیبت کے وقت دوسروں کی مدد کو پہنچتے ہیں تو کل دُوسرے بھی مُشکل کے وقت ہماری مدد کریں گے ۔ ہم نے کسی مُصیبت زدہ سے ہمدردی نہیں کی تو پھر ہمارا کوئی غم خوار نہ ہو گا ۔ مُصیبت کے وقت ایک دُوسرے کے کام آنے اور مدد کرنے سے آپس میں میل جول بڑھتا ہے اور اس طرح معاشرہ ترقّی کرتا ہے ۔ پھر اس عادت سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے ۔ چنانچہ ہمیں کسی حاجت مند اور مُصیبت زدہ انسان یا حیوان کی مدد کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں کھونا چاہیے ۔

مشق

۱۔ مدینے کے تاجروں نے حضرت عثمانؓ سے کیا کہا ؟

۲۔ حضرت عثمانؓ نے مدینے کے تاجروں کو کیا جواب دیا ؟

۳۔ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے ابُو سُفیان کی درخواست کیوں قبول کی ؟

۴۔ قرآنِ کریم میں نیک لوگوں کی کیا صِفت بیان ہُوئی ہے ؟

۵۔ روپے پیسے سے ضرورت مندوں کی مدد کس طرح کی جا سکتی ہے ؟

۶۔ بغیر روپے پیسے کے ضرورت مندوں کی مدد کس طرح کی جا سکتی ہے ؟

۷۔ دوسروں سے ہمدردی کرنے والے انسان کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے ؟

۸۔ اس سبق میں آپ نے ایک مقام پر یہ عبارت پڑھی ہے :

حضُور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے ۔" جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پُوری کرے گا ، خُدا اُس کی ضرورت پُوری کرے گا ۔" یہاں چھوٹی سی لکیر جُملہ ختم ہونے کی علامت

ہے ۔ یہ بھی دیکھیے کہ رسُول کریم صلّیَ اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے ارشاد کو دو سیدھے واؤ لگا کر شروع کیا گیا ہے اور آخر میں دو اُلٹے واؤ لگا کر بند کر دیا گیا ہے ۔ اس علامت کو " " واوین کہتے ہیں اور یہ اِس بات کی علامت ہے کہ کسی کی کہی ہُوئی بات کس جگہ سے شروع ہوتی ہے اور کِس مقام پر ختم ہوتی ہے ۔ اِن علامتوں کو اوقاف کہتے ہیں ۔

اِس سبَق میں سے اس قسم کی تمام عبارتوں کو نکال کر اپنی کاپی پر لکھیے جن میں اوقاف کی علامت استعمال کی گئی ہے ۔

۹ ۔ فعل مستقبل وہ فعل ہے جو آنے والے زمانے میں کسی کام کا ہونا یا کرنا ظاہر کرے ۔ " دیکھنا " مصدر سے فعل مستقبل کی گردان یہ ہے ۔

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلّم	جمع متکلّم
مذکرّ	وہ دیکھے گا	وہ دیکھیں گے	تُو دیکھے گا	تُم دیکھو گے	میں دیکھوں گا	ہم دیکھیں گے
مؤنّث	وہ دیکھے گی	وہ دیکھیں گی	تُو دیکھے گی	تُم دیکھو گی	میں دیکھوں گی	ہم دیکھیں گی

آپ " بھاگنا " مصدر سے فعل مُستقبل کی گردان لکھیں ۔

۱۰ ۔ اس سبَق سے فعل مستقبل تلاش کر کے لکھیے

اکبرؔ الٰہ آبادی

اکبرؔ الٰہ آبادی کا پُورا نام سیّد اکبر حُسین رضوی تھا۔ اُن کے والد بہُت بڑے عالم تھے اور والدہ بھی بہت نیک خاتون تھیں، گویا مذہب کی محبّت اکبرؔ کی گھُٹی میں پڑی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عمر بھر مذہب کی محبّت کو سینے سے لگائے رہے۔

اکبرؔ کا خاندان زیادہ خوش حال نہیں تھا اس لیے وہ ابتداً زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ بعد میں اپنی محنت سے اکبرؔ نے تمام کمی پُوری کرلی۔ اُنھوں نے عربی، فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل کی جس کے بعد اُنھوں نے قانون پڑھنا شروع کیا۔ قانون کا امتحان پاس کرنے کے بعد اُنھیں وکالت کرنے کی اجازت مِل گئی لیکن اُنھوں نے وکالت نہیں کی۔ وہ نائب تحصیلدار کی حیثیّت سے ملازمت کرنے لگے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے کا سِلسلہ جاری رکھا اور اس طرح ترقّی کرتے ہُوئے وہ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے عُہدے تک پُہنچے۔

۱۹۰۳ء میں آنکھوں کی بیماری کے سبَب ملازمت چھوڑ دی اور باقی وقت علم اور ادَب کی خِدمت میں گزارا۔ آخری عمر میں بیوی اور ایک جوان بیٹے کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو الٰہ آباد میں انتقال کیا۔

اکبرؔ نے چھوٹی عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ وہ سنجیدہ شاعری میں بھی بڑا مقام رکھتے ہیں لیکن اُن کو زیادہ شہرت مزاحیہ اور طنزیہ شاعری کی وجہ سے مِلی۔

اکبرؔ کے زمانے میں انگریز یہاں قدم جما چُکے تھے۔ اُن کے رسم و رواج یہاں کے لوگوں کے لیے اجنبی تھے۔ عام لوگ ویسے بھی حُکمرانوں کے طور طریقے اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ناکام ہونے سے مُسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے تو اُنھیں ہر دیسی چیز سے نفرت ہو گئی اور وہ ہر کام میں آنکھیں بند کر کے انگریزوں کی

نقل کرنے لگے۔ اکبر نے اپنے شعروں میں مسلمانوں کی اس نقّالی کا مذاق اُڑایا ہے۔

؎ کیوں کر کہوں طریقِ عمل اُن کا نیک ہے
جب عید میں بجائے سیویوں کے کیک ہے

؎ مِل کا آٹا ہے نَل کا پانی ہے
آب و دانہ کی حکمرانی ہے

؎ پاؤں کا نپا ہی کیے خوف سے اُن کے در پر
چُست پتلون پہننے سے بھی پنڈلی نہ تنی

یُوں تو ہر شاعر اپنے زمانے میں ظاہر ہونے والے واقعات سے فائدہ اُٹھاتا ہے لیکن اکبر نے جس طرح اپنے زمانے کے حالات اپنی شاعری میں پیش کیے کوئی اور شاعر اُن کی برابری نہیں کر سکتا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ اکبر کو اکبر بنانے میں اُن واقعات کا بہت بڑا دخل ہے، جو اُن کے زمانے میں سامنے آئے۔

حالی، اقبال اور اکبر تین ایسے شاعر ہیں جنھوں نے مُسلمانوں کی اصلاح کے لیے بہُت کچُھ لکھا۔ حالی نے زیادہ تر مُسلمانوں کے شاندار ماضی کو اپنے شعروں میں پیش کیا۔ اقبال نے مُستقبل کا نقشہ کھینچا اور اکبر نے زیادہ تر حال پر توجّہ دی ہے مثلاً اُن کے یہ اشعار دیکھیے۔

؎ جو بات مناسب ہے وُہ حاصل نہیں کرتے جو اپنی گرہ میں ہے اُسے کھو بھی رہے ہیں
بے عِلم بھی ہم لوگ ہیں غفلت بھی ہے طاری افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سو بھی رہے ہیں

اکبر چاہتے تھے کہ مُسلمان دُنیا میں ترقّی بھی کریں اور مذہب سے بھی دُور نہ ہوں۔

اکبر نے کہا سُن لو یارو! اللہ نہیں تو کچُھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غَلَط تنخواہ نہیں تو کچُھ بھی نہیں

جب اُنھوں نے دیکھا کہ کچھ مُسلمان دُنیا ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں تو اس طرح کے طنزیہ شعر کہے:

؎ ہُوئے اِس قدر مہذّب کبھی گھر کا مُنہ نہ دیکھا کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

۶ قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکّام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہُت ہیں مگر آرام کے ساتھ

اکبرؔ نے شاعری میں ایک ایسے طریقے کی بنیاد ڈالی جسے خوِد اُنھوں نے تکمیل تک پُہنچایا۔ اُن کے بعد کوئی بھی اِس طرز میں شعر نہ کہہ سکا۔

مشق

۱۔ اکبرؔ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟
۲۔ اکبرؔ نے اپنی شاعری میں کس قسم کے لوگوں کا مذاق اُڑایا ہے ؟
۳۔ اکبرؔ کے علاوہ کسی اور شاعر کا نام لکھیے جس نے مُسلمانوں کی اصلاح کے لیے شاعری کی ہو۔
۴۔ خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

ا۔ مذہب کی محبّت اکبرؔ کی ـــــ میں پڑی تھی۔
ب۔ اکبرؔ کا خاندان زیادہ ـــــ نہیں تھا۔
ج۔ اکبرؔ نے ـــــ عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔
د۔ اکبرؔ کے زمانے میں ـــــ یہاں قدم جما چکے تھے۔
ہ۔ اکبرؔ نے شاعری میں ایک ایسے طریقے کی بُنیاد ڈالی جسے خوِد اُنھوں نے ـــ تک پُہنچایا۔

۵۔ اعراب لگائیے۔

گھٹّی ۔ سنجیدہ ۔ مستقبل ۔ حکام ۔ مہذب ۔ غلط۔

۶ درُست بیان پر نشان ✓ لگائیے۔

(ا) اکبرؔ نے طنزیہ شاعری کی بنیاد ڈالی۔
(ب) اکبرؔ نے مُسلمانوں کو انگریزوں کی بے جواز نقالی سے روکنے کے لیے طنزیہ شاعری کی۔
(ج) اکبرؔ ایک خوِشحال گھرانے سے تعلّق رکھتے تھے۔
(د) اکبرؔ کو طنزیہ اور مزاحیہ شاعری سے شُہرت ملی۔
(ہ) اکبرؔ نے سنجیدہ شاعری نہیں کی۔

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ سحر سے
تارے کہنے لگے قمر سے
نظّارے رہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا چلنا، مدام چلنا
بے تاب ہے اس جہاں کی ہر شے
کہتے ہیں جسے سکوں نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کشِ سفر سب
تارے انساں شجر، حجر سب
ہو گا کبھی ختم یہ سفر کیا؟
منزل کبھی آئے گی نظر کیا؟

کہنے لگا چاند، ہم نشینو!
اے مزرعِ شب کے خوشہ چینو!
جنبش سے ہے زندگی جہاں کی
یہ رسمِ قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ
کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

اس رہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اَجَل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا، کُچل گئے ہیں

(علامہ محمدؐ اقبالؔ)

مَشق

۱- شاعر کے بیان کے مطابق تاروں نے چاند سے کیا کہا؟
۲- نظم میں دُنیا کی ہر چیز کی کیا حالت بیان کی گئی ہے؟
۳- کائنات میں کس چیز کی کمی کا ذکر ہُوا ہے؟
۴- کون سی چیز سب کو حرکت پر مجبور کر رہی ہے؟
۵- اس نظم سے ایسا شعر تلاش کیجیے جو اس نظم کے بنیادی خیال کو پیش کرے۔
۶- نظم کے دوسرے حصّے کی تشریح کیجیے۔
۷- اس نظم سے جو سبق ملتا ہے اُسے اپنے لفظوں میں لکھیے۔
۸- ان الفاظ کے معنی لکھیے۔
خوشہ چیں - اشہبِ زمانہ - تازیانہ - بے محل - اَجَل - مزرعِ شب -
۹- مندرجہ ذیل کے ہم قافیہ الفاظ لکھیے۔
چمک - قمر - محل - یہاں - شام -
۱۰- اِعراب لگائیے۔
ستم کش - شجر - حجر - مدام - مزرع - جنبش - اشہب زمانہ -

گوتم بُدھ

آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے کی بات ہے کہ شہر کپل وستُو (نیپال) کے راجا کے ہاں بیٹا پیدا ہُوا۔ راجا نے اُس کا نام سدارتھ رکھا۔ راجا نے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے ایک محل تعمیر کروایا۔ اس میں شہزادے کے آرام کے لیے ہر طرح کا سامان مہیّا کیا۔ شہزادے کی پرورش کے لیے دائیاں اور ملازم رکھے، جو اُس کے آرام اور خُوشی کے لیے دن رات حاضر رہتے۔

شہزادہ بڑا ہوتا گیا۔ اُسے عیش و آرام کا سامان مہیّا تھا لیکن اُس کا جی نہیں لگتا تھا۔ وہ ہر وقت کسی سوچ میں ڈُوبا رہتا۔ گھنٹوں خاموش رہتا۔ راجا نے بہُت کوشش کی کہ سدارتھ حکومت کے کاموں میں دلچسپی لے مگر بے سُود۔ آخر راجا نے سوچا کہ سدارتھ تنہائی کی وجہ سے اُداس رہنے لگا ہے اس لیے اُس نے سدارتھ کی شادی اُس کے ماموں کی بیٹی گوپا سے کر دی۔ راجا نے دُولھا اور دُلھن کے رہنے کے تمام انتظام اسی محل میں کیے اور فرمان جاری کیا کہ میاں بیوی دونوں کو کسی قسم کی بُری خبر نہ ملے۔ شہزادے کو خُدا نے ایک چاند سا بیٹا بھی عطا کیا۔ اس طرح شادی کے دس سال گزُر گئے مگر سدارتھ کی طبیعت میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ پہلے کی طرح باغ کے کسی کونے میں بیٹھ کر گھنٹوں اکیلا سوچتا رہتا۔ آخر ایک دن شہزادہ سدارتھ نے راجا کو کہلا بھیجا کہ میں اِس محل اور باغوں سے نکل کر باہر کی دُنیا بھی دیکھنا چاہتا ہُوں۔

راجا نے شہر میں منادی کرا دی کہ شہزادہ شہر کی سَیر کرنا چاہتا ہے۔ شہر کو خُوب سجایا جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کوئی ایسی حرکت شہزادے کے سامنے نہ ہو جس سے اُس کا دل خفا ہو۔

کپل وستو شہر کے تمام باشندے اپنے شہزادے کو ایک نظر دیکھنے کے مُشتاق تھے۔ وہ بازاروں کو سجا کر راستوں میں کھڑے ہو گئے۔ شہزادے کی سواری شہر میں داخل ہُوئی۔ راستوں میں عطر گلاب چھڑکا ہُوا تھا۔ ہر طرف خوشبو ہی خوشبو تھی۔ تمام رعایا خوش تھی۔ شہزادہ شہر اور لوگوں کو دیکھ کر خوش نظر آ رہا تھا مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اچانک شہزادے کی نظر ایک بوڑھے پر پڑی جو لاٹھی کے سہارے بڑی مُشکل سے چل رہا تھا۔

راجا کے سپاہیوں نے بوڑھے کو دھکّے دے کر راستے سے ہٹایا مگر شہزادہ اُسے دیکھ چُکا تھا۔ اُس نے ایک سپاہی سے پُوچھا۔ "یہ کیسا آدمی ہے؟" سپاہی نے جواب دیا: "حضور! انسان آخری عُمر میں اِسی طرح ہو جاتا ہے"۔

شہزادے نے پھر سوال کیا: "کیا مطلب؟"

سپاہی نے ادب سے جُھک کر کہا:

"حضُور! ہر انسان جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو یہی حالت ہوتی ہے"۔

شہزادہ سدارتھ کو خیال آیا کہ میں بھی ایک دن اسی طرح بوڑھا ہو جاؤں گا، اور اس فکر نے اُسے اُداس کر دیا۔ وہ محل واپس چلا آیا۔ وہ برابر سوچتا رہا۔ انسان کا انجام کِتنا خطرناک ہوتا ہے۔ بڑھاپا اُسے کِتنا بے بس اور مجبُور کر دیتا ہے۔ اسی سوچ بچار میں وہ زیادہ غمگین رہنے لگا۔

ایک دن پھر سدارتھ شہر کی سیر کو نِکلا۔ جب اُس کی سواری بازار میں پہنچی تو اُس نے دیکھا کہ ایک شخص بہُت ہی دُبلا پتلا، سہارے لیتا ہُوا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے سدارتھ نے کسی بیمار کو نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے سپاہی سے پُوچھا: "اس شخص کو کیا ہُوا ہے؟"

سپاہی نے جواب دیا: "حضُور! یہ بیمار ہے"۔

سدارتھ بہُت حیران ہُوا اور سپاہی سے پوچھنے لگا:

"کیا ہر شخص بیمار ہوتا ہے؟"

سپاہی نے جواب دیا۔ "حضور! ہر شخص پر بیماری آ سکتی ہے۔ بیماری انسان کو

کمزور اور لاغر کر دیتی ہے اور پھر اِسی طرح وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا ہے"۔

شہزادہ بڑا غمگین ہُوا اور واپس اپنے محل چلا گیا۔ اب اُس کی سوچ میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا۔ انسان کتنا مجبُور ہوتا ہے کہ بیمار ہو کر مَر جاتا ہے۔ زندگی گزُارنے کی مُصیبت کیا کم ہے کہ مَوت بھی آتی ہے۔ کیا یہ بیماری اور کمزوری ہم سب پر آئے گی۔ وہ بہُت دِنوں تک یہی سوچتا رہا۔ اِس خُوبصورت محل اور ہرے بھرے باغوں میں بھی شہزادے کو دِلی سکون نہ ملا۔ وہ سونے چاندی کے بنے ہُوئے محل میں بیٹھ کر بھی انسان کے دُکھ کو محسُوس کر کے گھنٹوں غمگین رہتا۔ اُسے ایسا راستہ نظر نہیں آتا تھا جس پر چل کر وُہ انسان کو دُکھوں سے نجات دلا سکے۔

ایک دن شہزادہ پھر شہر دیکھنے کے لیے محل سے نِکلا۔ اَب کے اُس نے دیکھا کہ چند لوگ ایک لاش کو اُٹھائے لے جا رہے ہیں۔ کچھ عورتیں اور بچّے اُس کے پیچھے روتے پیٹتے جا رہے ہیں۔ اُس نے پوچھا: "یہ کیا ہے ؟"

سپاہی نے جواب دیا۔ "حضور! مَوت ہر انسان کو آنی ہے اور آخر میں ہر ایک کا یہی انجام ہے۔ سپاہی کی یہ بات سُن کر شہزادے کا دِل دُنیا سے اُچاٹ ہو گیا۔ اُسے دُنیا سے نفرت ہو گئی۔ وہ متواتر سوچتا، بیماری، مَوت۔ انسان کی زندگی تو ایک عذاب سے کم نہیں۔ اُسے اِن دُکھوں سے بھری ہُوئی دُنیا سے کیسے چھُٹکارا ہو گا۔ اِس عذاب سے کیسے نجات ملے گی۔ آخر اُس نے فیصلہ کر لیا کہ ایسی دُکھوں سے بھری ہُوئی دُنیا کو چھوڑ کر کسی جنگل میں جا کر زندگی گزُارنی چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی شہزادے نے اپنے نوکر سے کہا کہ سواری تیّار کرے۔ رات کا وقت تھا۔ اُس کی بیوی اور بچّہ اپنے کمرے میں سوئے ہُوئے تھے۔ شہزادہ اُن کے کمرے میں گیا اور اپنی بیوی اور بچّے کو ایک نظر آخری مرتبہ دیکھا اور نوکر کو ساتھ لے کر شہر سے دُور ایک ندی کے کنارے پُہنچ گیا۔ وہاں شہزادے نے شاہی لباس اور گھوڑا نوکر کے حوالے کیا، بدن پر ایک سادہ چادر لپیٹی اور مٹّی ملی۔ نوکر سے کہا:

"میرے باپ سے کہہ دینا کہ تمھارا بیٹا دُنیا چھوڑ کر جنگلوں میں چلا گیا۔"
اب شہزادہ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا۔ کچھ مل جاتا تو کھا لیتا ورنہ بھوکا ہی جنگلوں میں سو رہتا۔ مُدّتوں اِسی طرح پھرتے پھراتے ایک دِن وہ بِگدھ شہر میں اُس زمانے کے ایک مشہور عالِم کے پاس جا پُہنچا۔ شہزادے نے چند ہی دِنوں میں اُس سے عِلم حاصل کر لیا۔ مگر دل کا سکون پھر بھی نہ مِلا۔ وُہ اُس زمانے کے سب بڑے بڑے عالموں کے پاس گیا۔ اُن کی شاگردی اختیار کی، اور تعلیم حاصل کرتے کرتے وہ خود بہُت بڑا عالِم بن گیا۔ اتنی محنت کے بعد وہ اس نتیجے پر پُہنچا کہ دُکھوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشوں کو ترک کر دینا ضروری ہے۔ چُنانچہ اس نے پھر جنگلوں کا رُخ کیا اور برگد کے ایک درخت کے نیچے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور قسم کھائی کہ جب تک انسان کے دُکھوں کا کوئی حل معلوم نہ ہوگا، یہاں سے نہ ہِلوں گا۔ اسی طرح ایک مُدّت گزر گئی۔ بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے وہ اتنا سُوکھ گیا کہ ہڈیوں اور چمڑے کا ایک ڈھانچہ بن گیا۔ وہ زندگی اور موت کے غم کو بھُول چُکا تھا۔ آخر ایک دن اُس پر یہ راز قُدرت نے کھولا کہ اگر انسان اپنی خواہشوں کو ترک کر دے تو جینے کی ہوس اور مرنے کا غم دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔ اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد اُس نے ایک نیا مذہب پیش کیا جسے "بُدھ مت" کہتے ہیں۔

سدارتھ بہت بڑا عالِم ہونے کے ساتھ عبادت گزار اور عقلمند بھی تھا اس لیے لوگ اُسے گوتم بُدھ کہنے لگے یعنی عقلمند۔ اِسی لیے اس کا رائج کردہ مذہب بھی "بُدھ مت" کہلایا اس مذہب کے یُوں تو بہُت سے اصُول ہیں جو انسانوں کو اچھائی کا راستہ دکھاتے ہیں۔ ان میں پانچ بڑے بڑے اصُول یہ ہیں:

- اپنے آپ پر اتنی سختی کرنی چاہیے کہ سب خواہشیں ختم ہو جائیں۔
- تکبّر اور غرُور کبھی نہیں کرنا چاہیے۔
- حرص نہیں کرنی چاہیے۔
- دُنیا کی کسی چیز سے بھی محبّت نہیں کرنا چاہیے۔

○ سب انسان برابر ہیں کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں۔

بُدھ مت، سے پہلے ہندوستان میں ہندو مذہب رائج تھا، جس میں ذات پات کی قید بہُت سخت تھی۔ برہمن کو اُونچا مرتبہ حاصل تھا خواہ وہ کِتنا ہی بُرا انسان ہو۔ شُودر کو نیچ اور گھٹیا درجہ دیا گیا۔ وہ مذہبی کتاب سُن بھی نہیں سکتا تھا۔ اُسے مذہبی زبان بولنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ اگر کسی چیز کو ہاتھ لگا دیتا تو وہ چیز ناپاک سمجھی جاتی تھی۔ اِس اُونچ نیچ کی وجہ سے ہزاروں انسان مُصیبت میں مُبتلا تھے۔ گوتم بُدھ نے جب سب انسانوں کو مُساوات کی تعلیم دی تو یہ لوگ فوراً بُدھ مت میں داخل ہو گئے۔ بُدھ مت میں مساوات، سادگی اور آسانی تھی۔ صدیوں سے کُچلے ہُوئے انسانوں کو بُدھ مت نے انسانی عزّت عطا کی۔

گندھارا بُدھ مت کا مرکز رہا۔ بُدھ مت کی تبلیغ کرنے والے بھکشُو زیادہ تر اِسی مرکز میں رہتے تھے۔ بھکشوؤں نے دُور دُور تک بُدھ مت کی تبلیغ کی۔ اس دور کے بہُت سے عالموں اور راجاؤں نے بُدھ مت اختیار کر لیا۔ گوتم بُدھ کے والِد کو جب یہ خبر ملی تو اُس نے اپنے بیٹے سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ گوتم بُدھ نے اپنے باپ سے اس شرط پر ملاقات قبول کی کہ مَیں محل میں نہیں آؤں گا بلکہ شہر سے باہر کسی نزدیکی جنگل میں آکر ڈیرہ لگاؤں گا۔ مجھے ہر شخص وہاں آکر ملے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ راجا اپنے بیٹے سے ملنے شہر سے باہر جنگل میں آیا۔ اس نے بیٹے کی باتیں سُنیں تو بہُت متاثر ہُوا اور بُدھ مت اختیار کر لیا۔ گوتم بُدھ چند روز وہاں رہنے کے بعد واپس چلا گیا۔

گوتم بُدھ کی عُمر اسّی برس کے قریب تھی کہ بیمار پڑ گیا۔ جب وہ مَرنے لگا تو اُس کی زبان پر یہ الفاظ تھے، "لوگو! یہ جسم اور دُنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ صرف سچّائی غیر فانی ہے۔ محنت اور کوشش سے نجات کا سامان کرو۔"

مشق

۱۔ گوتم بُدھ نے اپنی ساری زندگی کس چیز کی تلاش میں گزاری ؟
۲۔ ہندو مذہب کے مُقابلے میں بُدھ مت تیزی سے کیوں پھیلا ؟
۳۔ گوتم بُدھ محلوں کو چھوڑ کر جنگل میں کیوں چلے گئے ؟
۴۔ گوتم بُدھ نے مرتے وقت لوگوں کو کیا نصیحت کی ؟
۵۔ بدھ مت کے ماننے والے آج کل کِن کِن ملکوں میں موجود ہیں ؟ ———
۶۔ اِس سبَق سے ایسے الفاظ تلاش کر کے لکھیے جو ایک دُوسرے کے متضاد ہوں۔
۷۔ اِس سبَق سے اسمِ صِفَت تلاش کر کے لکھیے۔
۸۔ مندرجہ ذیل عبارت میں موزوں جگہ پر ختمہ (۔) لگائیے۔

ایک دن بلبو پہاڑی پر گھاس چر رہا تھا اُس کے گلے میں پڑی گھنٹی بج رہی تھی نومی نے محسوس کیا کہ گھنٹی کی آواز میں کچھ اُداسی ہے اُس نے غور کیا تو واقعی گھنٹی کی آواز میں ایک افسُردگی کی کیفیت تھی نومی نے بہُت سوچا کہ آخر ایسا کیوں ہے وہ اس کی وجہ نہ معلوم کر سکا اس نے اپنے دادا جان سے گھنٹی کی آواز میں اُداسی کی کیفیت کا ذکر کیا اور اس کا سبب پُوچھا اُس کے دادا جان نے جواب دیا بیٹا گھنٹی کی آواز کی افسُردگی میں ایک کہانی پوشیدہ ہے یہ کہانی مجھے میرے دادا نے سنائی تھی اور یہ گھنٹی بھی دی تھی وہ کہانی کچھ یُوں ہے کہ بہُت مُدّت پہلے ایک چرواہے نے بھیڑ کے بچّے کے گلے میں یہ گھنٹی باندھی کہ اس سے بھیڑ کے بچّے کے بارے میں معلُوم ہوتا رہے گا کہ وہ کہاں ہے اس طرح اُسے تلاش کرنے میں آسانی رہے گی ایک دن بارش ہو رہی تھی بھیڑ کا بچّہ ریوڑ سے الگ ہو کر جنگل میں چلا گیا بارش کی وجہ سے اس کی گھنٹی کی آواز کوئی نہ سُن سکا رات کو چرواہے نے دیکھا تو بھیڑ کا بچّہ موجود نہ تھا صُبح چرواہا اُسے ڈھونڈتا ہُوا جنگل میں گیا ایک جگہ چرواہے کو کچھ ہڈیاں اور خُون پڑا دکھائی دیا پاس ہی یہ گھنٹی بھی پڑی تھی اور بھیڑ کے بچّے کا کچھ پتا نہ تھا اُس دن سے اس گھنٹی کی آواز میں اُداسی پائی جاتی ہے

والی بال

والی بال کا کھیل دُنیا کے اکثر ممالک میں کھیلا جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی یہ کھیل بڑی دلچسپی سے کھیلا جاتا ہے۔ والی بال کی ٹیم عام طور پر چھ کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اس میں چھ ہی متبادل کھلاڑی ہوتے ہیں۔ اس سے کم ٹیم کو کھیل کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ پچھلے دنوں ہمارے شہر میں قومی کھیل مُنعقد ہُوئے۔ اُن میں مختلف کھیل کھیلے گئے۔ والی بال بھی ان کھیلوں میں شامل تھا۔ اس سلسلے میں دو دوستوں کی گفتگو ملاحظہ ہو:۔

مصطفےٰ: حسین! کیا تم نے پچھلے دنوں والی بال کے میچ، جو پشاور سٹیڈیم میں منعقد ہُوئے، دیکھے تھے؟

حسین: ہاں! میں نے تقریبًا تمام ٹیموں کے کھیل دیکھے تھے۔ ان میں سیمی فائنل اور فائنل تو دیکھنے کے لائق تھے۔ دونوں میچوں میں بہت لُطف آیا۔

مصطفےٰ: حسین! ان میچوں میں تُم نے کیا خاص بات محسُوس کی؟

حسین: اِن میچوں کی ایک سب سے بڑی خصُوصیّت جو میں نے محسوس کی، وہ قومی اتّحاد اور یک جہتی کا فروغ ہے۔ پاکستان بھر کے مختلف علاقوں سے اس میں مختلف ٹیموں نے حِصّہ لیا اور اُن ٹیموں میں بھی مختلف علاقوں کے بسنے والے کھلاڑی شامل تھے۔ جن میں مختلف زبانیں بولنے والے تھے مگر سب کے سب آپس میں بھائیوں کی طرح یک جان ہوکر دوسری ٹیم کا مُقابلہ کر رہے تھے۔

مصطفےٰ: حسین! واقعی یہ بات تو ہمارے لیے بہت ہی دلچسپی کا باعث ہے۔ اس طرح ہم آپس میں بھائی چارے کو فروغ دے سکتے ہیں اور ایک دُوسرے علاقے کے رہنے والوں کے درمیان یک جہتی اور محبّت کو بڑھا سکتے ہیں۔

حسین: مصطفےٰ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ والی بال ٹیم میں کتنے کھلاڑی ہوتے ہیں؟

مصطفےٰ : ہاں ! والی بال کی ایک ٹیم میں چھ کھلاڑی ہوتے ہیں۔
حسین : مصطفےٰ ! ان کھلاڑیوں کا لباس کیسا ہوتا ہے ؟
مصطفےٰ : بنیان ، نیکر اور چمڑے یا ربڑ کے جُوتے والی بال کے کھلاڑیوں کا لباس ہے۔
حسین : مصطفےٰ ! کیا آپ نے فائنل میچ دیکھا تھا ؟
مصطفےٰ : جی ہاں ! میں نے یہ میچ دیکھا تھا اور یہ میچ آرمی کی ٹیم نے ریلوے کی ٹیم سے بہُت سخت مقابلے کے بعد جیت لیا تھا۔
حسین : مصطفےٰ ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ والی بال کو کھیلتے ہُوئے سروس کس طرح کی جاتی ہے ؟
مصطفےٰ : ہاں حسین ! مجھے معلوم ہے کہ کھلاڑی بازو کے کسی حصّے سے یا بند مُٹھی یا کھلے ہاتھ سے بال کو مار سکتا ہے تاکہ بال جال کے اُوپر سے مخالف ٹیم کے میدان میں چلی جائے۔ گیند کو ہوا میں اُچھال کر سروس کی جاتی ہے۔
حسین : مصطفےٰ ! غلط سروس کیا ہوتی ہے ؟
مصطفےٰ : گیند کھیل کے میدان سے باہر گرے یا گیند سائیڈ لائن کے اوپر یا باہر سے گزر جائے یا گیند جال کو چھُو جائے یا گیند جال کے نیچے سے گزر جائے تو اسے غلط سروس کہتے ہیں۔
حسین : کیا تم بلاکنگ کے بارے میں کچھ جانتے ہو ؟
مصطفےٰ : ہاں ! مخالف ٹیم کے حملے کو روکنے کے لیے یہ عمل کیا جاتا ہے ، جبکہ بال جال پر سے گزُر چکی ہو۔ بلاکنگ میں اگلی لائن کے تمام کھلاڑی حصّہ لے سکتے ہیں۔ بلاکنگ کے دوران ایک یا ایک سے زیادہ کھلاڑیوں کو اگر گیند چھُو جائے تو پھر بھی ایک ہی بار چھُونا تصوّر کیا جائے گا۔
حسین : بلاکنگ کے علاوہ ہر موقع پر کتنے کھلاڑی بال کو چھُو سکتے ہیں ؟
مصطفےٰ : بلاکنگ کے سوا ایک وقت میں ایک کھلاڑی بال کو چھُو سکتا ہے۔ اگر ایک ہی ٹیم کے دو کھلاڑی بیک وقت گیند کو چھُوئیں تو یہ فاؤل ہو گا۔ جب دو مخالف کھلاڑی

بیک وقت فاؤل کے مرتکب ہوں تو پوائنٹ دوبارہ کھیلا جاتا ہے۔

دو مخالف کھلاڑیوں کے جال کے اُوپر کھیلنے کے بعد گیند اگر حملہ آور ٹیم کے میدان میں گرے تو وہ پوائنٹ ہار جائے گی اور میدان سے باہر گرے تو بلاک کرنے والی ٹیم پوائنٹ ہار جائے گی۔

مَشق

۱۔ والی بال کے کسی میچ کے بارے میں دو پیرے لکھیے۔

۲۔ والی بال میں کتنے کھلاڑی ہوتے ہیں؟ ۳۔ بلاکنگ سے کیا مُراد ہے؟

۴۔ اس سبق میں سے واحد اور جمع الفاظ چُن کر الگ الگ لکھیے۔

۵۔ اعراب لگائیے۔ منعقد۔ مشتمل۔ یک جہتی۔ متبادل۔ مرتکب۔

۶۔ دیے ہوئے الفاظ میں سے موزوں لفظ خالی جگہ پر لکھ کر جُملہ مکمل کیجیے۔

(ا) والی بال کی ایک ٹیم میں ____ کھلاڑی ہوتے ہیں۔ (چھ - نو - گیارہ)۔

(ب) کھیلوں سے قومی اتّحاد اور یک جہتی کو ____ حاصل ہوتا ہے۔ (ترقّی - اہمیّت - فروغ)۔

(ج) والی بال میں کھلاڑی مخالف ٹیم کے ____ کو روکنے کے لیے بلاکنگ کرتے ہیں۔ (سروس - حملے - عمل)

(د) بلاکنگ کے سوا ایک وقت میں ____ کھلاڑی بال کو چھو سکتا ہے۔ (ایک - دو)

۷۔ ان جُملوں پر غور کیجیے۔

عدنان آیا تھا۔ کیا عدنان آیا تھا؟ آپ نے کھانا کھایا۔ کیا آپ نے کھانا کھایا؟ آپ نے کب کھانا کھایا؟

اِن میں سوالیہ جُملوں کے آخر میں ختمہ (۔) کے نشان کی بجائے نشان "؟" درج ہے۔ اسے سوالیہ علامت کہتے ہیں۔ اس سے سوالیہ جُملوں کی شناخت ہوتی ہے۔ آپ اس سبق سے سوالیہ جُملے تلاش کر کے لکھیے۔

مُسلمانوں کی بیداری میں اقبالؒ کا حصّہ

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد برِّصغیر پاک و ہند میں مُسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو چُکا تھا۔ اب وہ محکوم بن چُکے تھے۔ اُن کا ایک قوم کی حیثیّت سے زندہ رہنا مُشکل نظر آ رہا تھا۔ انگریزوں نے چونکہ سلطنت مُسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے وہ قدرتی طور پر مُسلمانوں سے خوف زدہ تھے، لہٰذا انگریزوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مُسلمانوں پر باعزّت زندگی گزارنے کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔ دُوسری طرف ہندو بھی مُسلمانوں سے اپنے ہزار سالہ دورِ غُلامی کا بدلہ لینے پر تُلے ہُوئے تھے۔ ہندوؤں نے معاشی طور پر مُسلمانوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔

ایسے مُشکل وقت میں سرسیّد نے مُسلمان قوم کو سہارا دیا جو ہمّت ہار چُکی تھی۔ اُنھوں نے ایک طرف تو انگریزوں سے خوش گوار تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی اور دُوسری طرف مُسلمانوں کو ایک ترقّی پذیر اور جدید تعلیم یافتہ قوم بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سرسیّد کے ساتھیوں نے بھی مُسلمانوں کی ترقّی کے لیے بہُت کام کیا جن میں حالیؔ، شبلیؔ، مولوی نذیر احمد، نواب وقار الملک وغیرہ کے نام نُمایاں ہیں۔ سرسیّد کے قائم کیے ہُوئے علی گڑھ کالج سے تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں کے دل بھی مُسلمانوں کی محبّت سے لبریز تھے۔ اِن نوجوانوں میں سے بہُت سے ایسے لوگ نکلے جو آگے چل کر مُسلمانوں کے بہُت بڑے رہنُما بنے۔

مُصوّرِ پاکستان، شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے زمانے میں آزادی کی تحریکیں شروع ہو رہی تھیں۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد دُنیا بھر کے مُسلمانوں کی حالت خراب تھی۔ ترکی، ایران افغانستان، عرب، ہندوستان، سب بے بس اور مجبُور تھے۔ مُسلمان عمل سے جی چُراتے تھے۔ وہ دُنیا میں زندہ رہنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اقبالؒ کے دل میں اسلام اور مُسلمانوں کی

مُحبّت موج زن تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام دُنیا کے مُسلمان اکٹھے ہو جائیں۔ اُن کی یہ خواہش اُن کے اِس شعر میں واضح طور پر بیان ہُوئی ہے۔

ے ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

علامہ اقبالؒ نے برِّصغیر کے مُسلمانوں میں آزادی کا شعُور پیدا کیا۔ اُنھوں نے یورپ میں رہ کر مغربی تہذیب کا قریب سے مُشاہدہ کیا تھا۔ مغربی تہذیب کی خرابیاں اُن پر واضح تھیں۔ وہ اس تہذیب کی مادہ پرستانہ ذہنیّت سے نالاں تھے، اس لیے وہ اپنی شاعری میں اس نظام پر کُھلم کُھلا تنقید کرتے تھے۔ وہ جب اس تہذیب کا موازنہ اسلامی تہذیب سے کرتے تو اُنھیں یورپی تہذیب میں ظاہری چمک دمک کے علاوہ کچھ بھی دکھائی نہ دیتا۔ چُنانچہ یورپ سے واپسی کے بعد اُن کی شاعری اور فکر، نئی زندگی کا پیغام بن گئی۔

اقبالؒ نے مُسلمانوں کو پیغام دیا ہے کہ ہماری اپنی تہذیب ہے اور اپنا طرزِ حیات۔ اُنھوں نے برِّصغیر کے مُسلمانوں پر واضح کیا کہ وہ ایک الگ قوم کے افراد ہیں جس کی بُنیاد اسلام کے سچّے اُصُولوں پر ہے۔

اپنی مِلّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسُولِ ہاشمیؐ

اقبال آزادی کی قدر و قیمت اور غُلامی کی لعنت سے آگاہ تھے۔ اُن کے نزدیک غُلامی کی زندگی ایک چھوٹی سی ندی سے زیادہ نہیں جب کہ آزادی میں زندگی ایک سمندر بن جاتی ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ مُسلمانوں کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ اقبالؒ مُسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا چاہتے تھے۔ وہ احیائے اسلام کے تمنّائی اور ایک ایسے نظام کے علمبردار تھے جو مروّجہ سیاسی اور معاشی نظام کو ختم کر کے نئے نظامِ حیات کو نافذ کر دے۔

اقبالؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے مُسلمانوں کو اتّحاد کا پیغام دیا ہے۔ اُس کی آرزو تھی کہ مُسلمان زندگی کے ہر میدان میں حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کریں۔ اقبالؒ نے اپنی

مشہور نظم "جواب شکوہ" میں بتایا کہ ہر جگہ مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ اس لیے ہمیں آپس میں مل کر دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے اور یہ آنحضرتؐ کے نقشِ قدم پر چلے بغیر ممکن نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کس خوبصورتی سے کہا ہے۔

؎ کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اقبالؒ نے اپنی شاعری کو بڑے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ اُن کا مقصد مسلمانوں کا جُداگانہ تشخّص اور ان کے لیے ایک علیحدہ وطن کا قیام تھا۔ اُن کی ملّی نظموں سے مسلمانوں میں آزادی کا شعور جاگ اُٹھا۔ اُن کا کلام صرف برِّصغیر ہی نہیں پوری دُنیا کے مسلمانوں کو متاثّر کرنے لگا۔ برِصغیر کا ہر نوجوان یہ آرزو کرنے لگا کہ وہ اقبالؒ کے پیغام کا عملی نمونہ بن جائے۔ اقبالؒ کے کلام کا زیادہ حِصّہ نوجوانوں سے متعلق ہے۔ اقبالؒ چاہتے تھے کہ مسلمان نوجوان میں شاہین کے اوصاف پیدا ہو جائیں۔ چنانچہ اُن کے دکھائے ہوئے راستوں پر چل کر نئی نسل نے اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لانے کا عہد کیا اور دُنیا پر ظاہر کیا کہ:

؎ تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
باطل سے دبنے والے، اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا

اقبالؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے واضح کیا ہے کہ زندگی حرکت کا نام ہے۔ سکون و جمود موت کا پیغام ہے —— زندگی کا قافلہ ہمیشہ آگے بڑھتا رہتا ہے۔ ہمیشہ بڑے مقاصد ہمارے سامنے رہنے چاہییں ورنہ زندگی کا سفر رُک جائے گا۔

۱۹۳۰ء میں علامہ اقبالؒ نے خطبۂ الٰہ آباد میں برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ اور جُداگانہ مملکت کا تصوّر پیش کیا۔ پاکستان کے حصول کے سلسلے میں اقبالؒ نے قائدِاعظمؒ کے ساتھ مل کر مسلسل کام کیا کیونکہ اُن کی دُور رس نگاہوں کو قائدِاعظم

محمد علی جناحؒ کے وجود میں برِصغیر کے مُسلمانوں کا نجات دہندہ نظر آیا۔ جو خوابِ اقبالؒ نے دیکھا تھا اُس کی تعبیر قائدِ اعظمؒ کی کوششوں سے سامنے آئی۔ اقبالؒ نے اپنی نظموں اور ترانوں میں جس طرف سفر کا آغاز کیا تھا اُس کی منزل ہمیں اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی صُورت میں ملی، جب تمام مُسلمانوں نے آزادی کی پہلی صُبح کو سلام کیا۔ آزادی کی صُبح جو ایک شاعر کے کلام سے طلُوع ہو کر پورے عالمِ اسلام کے لیے روشنی اور بیداری کا پیغام لائی۔

مَشق

۱۔ مُسلم اقتدار کے خاتمہ کے بعد انگریزوں نے مُسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

۲۔ یورپ میں رہ کر اقبالؒ کے خیالات میں کیا تبدیلی آئی؟

۳۔ اقبالؒ نے اپنے نغموں میں مُسلمانوں کو کیا پیغام دیا؟

۴۔ اقبالؒ کے جو شعر آپ کو پسند ہوں، اپنی کاپی پر لِکھیں؟

۵۔ واحد کے جمع اور جمع کے واحد لِکھیے؟
مُشکل، تعلقات، قوم، افراد، فکر، نقش، مقصد، اوصاف۔

۶۔ اِس سبق میں ایک جگہ سکُون و جُمود کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ اسی طرح کے کچھ اور الفاظ ڈھونڈیں جن کے درمیان واؤ آئے مثلاً دل و دماغ۔

۷۔ اعراب لگائیے۔
اقتدار۔ علامہ۔ منصوبہ۔ ذہنیت۔ مروجہ۔ تشخص۔

۸۔ ان الفاظ کے ایسے جوڑے بنائیے کہ ان میں ایک واضح تعلق ہو۔
ساحل۔ قوم۔ لوح۔ تعبیر۔ قلم۔ نیل۔ فرد۔ خواب۔

۹۔ اِس سبق سے اسمِ عَلَم تلاش کر کے لِکھیے۔

۱۰۔ اِس سبق سے دس فعل ماضی تلاش کر کے لِکھیے۔

ترانہ

سَرزمینِ وطن ، سَرزمینِ وطن
تیری شادابیاں ہیں چمن در چمن
رقص کرتے ہُوئے تیرے سرو وسَمن
تیرے ذرّوں میں تاروں کا ہے بانکپن
سَرزمینِ وطن ، سَرزمینِ وطن
لہلہاتی ہُوئی وُہ تیری کھیتیاں
جگمگاتی ہُوئی جس طرح کہکشاں
چاند سے بھی حَسیں ہیں تیری بستیاں
تیرے دریاؤں میں زندگی موجزن
سَرزمینِ وطن ، سَرزمینِ وطن
ذرّے ذرّے میں تیرے سمویا لہُو
تیرے غنچوں کو لگنے نہ دی ہم نے لُو
نام روشن کیا یُوں تیرا چار سُو
جگمگانے لگے تیرے دشت و دمن
سَرزمینِ وطن ، سَرزمینِ وطن
نظم و ضبط ویقیں سے سجایا تجُھے
کھو کے ہر ایک شے ہم نے پایا تجُھے
گھر جلایا مگر جگمگایا تجُھے
ہم کبھی تجھ کو لگنے نہ دیں گے گہن
سَرزمینِ وطن ، سَرزمینِ وطن

مَشق

۱۔ شاعر نے وطن کے کِن حَسِین مناظر کا ذکر کیا ہے ؟
۲۔ اللہ نے ہمارے مُلک کو کِن نعمتوں سے نوازا ہے ؟
۳۔ اِس ترانے کو مِل کر گائیں۔
۴۔ معنی لکھیں۔
بانکپن ۔ موجزن ۔ تُو ۔ چارسُو ۔ دشت ، سایہ فگن ۔ سمن ۔ دمن ۔
۵۔ اعراب لگائیے ۔ حسیں ۔ لہو ۔ غنچہ ۔ گہن ۔ ضبط۔
۶۔ نظم سے بستیاں اور وطن کے ہم قافیہ الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔
۷۔ مندرجہ ذیل اشعار کو نثر میں ایک پیراگراف میں اس طرح لکھیے کہ ان اشعار کا مفہوم واضح ہو جائے نیز وطن سے خطاب کے بجائے نثر وطن کے بارے میں بیانیہ ہو مثلاً "تیری بستیاں" کی جگہ عبارت "میرے وطن کی بستیاں" کی طرح کے الفاظ ہوں۔

لہلہاتی ہُوئی وہ تیری کھیتیاں
جگمگاتی ہُوئی جس طرح کہکشاں
چاند سے بھی حَسیں ہیں تیری بستیاں
تیرے دریاؤں میں زندگی موجزن

سَر زمینِ وطَن ، سَر زمینِ وطَن

کیپٹن محمد سرور شہید

جو لوگ کوئی قومی کارنامہ انجام دیتے ہیں، تاریخ اُن کے نام ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیتی ہے اور اُنھیں ہمیشہ یاد رکھا جاتا ہے۔ ہماری اپنی عسکری تاریخ میں کئی ایسے جوان نظر آتے ہیں جو اپنے وطن کی آن پر مِٹ کر ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے ہیں۔ ذرا چشمِ تصوّر سے دیکھیے آپ کو ایسے جیالوں کی صف نظر آئے گی جن کے چہرے کامیابی اور کامرانی سے تمتما رہے ہوں گے۔ جن کے سینوں پر "نشانِ حیدر" آپ کو چمکتا دمکتا مِلے گا۔ یہ نشان اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اسلام کے یہی فرزند تھے جنھوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر ملک اور ملّت کا پرچم سربلند رکھا۔ "نشان حیدر" کے اس پیارے گلدستے میں کیپٹن محمد سرور شہید بھی ایک خوبصورت پھول کی مانند سجے ہُوئے ہیں۔

کیپٹن محمد سرور شہید کو اپنے وطن سے بڑی محبّت تھی۔ آپ کو سرزمینِ وطن کا ذرّہ ذرّہ اپنی جان سے زیادہ پیارا لگتا تھا۔ وطن کی یہی محبّت آپ کو فوج میں لے گئی، کیونکہ اس طرح آپ مادرِ وطن کی بہتر طور پر خدمت کر سکتے تھے۔

کشمیر کی وادی محمد سرور شہید کی جُرأت مندی کی گواہ ہے۔ اِسی وادی میں آپ دشمن سے لڑے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔

دشمن نے ایک اہم پہاڑی پر قبضہ کر رکھا تھا اور وہاں مضبوط مورچہ بندی تھی۔ کیپٹن سرور کو علم تھا کہ یہ جگہ فوجی نقطہ نظر سے بڑی اہمیّت کی حامل ہے۔ آپ پاکستانی فوج کے ساتھ اس پہاڑی کے نچلے حصّے میں تھے جب کہ دشمن نے پہاڑی کے بالائی حصّے پر قبضہ جمایا ہُوا تھا۔ یہاں سے بڑی آسانی کے ساتھ پاکستانی فوج پر گولہ باری ہو سکتی تھی۔ اِسی لیے کیپٹن محمّد سرور ہر ممکن کوشش کر کے پہاڑی کو دشمن کے چُنگل سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔

دُشمن نے بچاؤ کے مکمّل انتظامات کر لیے تھے۔ اپنے مورچے کے اِرد گرد خار دار تار

لگا رکھے تھے۔ کیپٹن محمد سرور نے حالات کا جائزہ لیا اور دشمن سے پہاڑی چھیننے کا جو منصوبہ بنایا اُس پر فوری طور پر عمل کرنے کی کوشش کی۔

رات تاریک تھی۔ ہر طرف جنگ کا ہیبت ناک سماں تھا۔ دُشمن بالکل سامنے تھا۔ اُس مردِ مجاہد نے کمرِ ہمت باندھ لی اور اپنی جماعت کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ رات کا پچھلا پہر ہو چکا تھا۔ آپ دشمن کے قریب پہنچ گئے۔ اب آپ میں اور دُشمن میں صرف پچاس میٹر کا فاصلہ حائل تھا۔ دُشمن کو آپ کی پیش قدمی کا علم ہُوا، تو وُہ چوکنا ہو گیا۔ اُس نے مشین گنوں اور توپوں سے آگ برسانا شروع کر دی۔ پاکستانی سپاہی نیچے میدان میں تھے اِس لیے کئی مجاہدین شہید ہو گئے۔ باقی مجاہدین نے موت کی پروا نہ کرتے ہُوئے پیش قدمی جاری رکھی۔

بڑھتے بڑھتے جب فاصلہ بیس میٹر رہ گیا تو کیپٹن محمد سرور اور اُن کے ساتھی زمین پر لیٹ گئے اور رینگتے ہُوئے آگے بڑھنے لگے۔ دُشمنوں نے یہ دیکھا تو اُن کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اُنھوں نے گولیوں کی بارش تیز کر دی۔ کیپٹن محمد سرور دُشمن کی ان چالوں سے خوف زدہ نہ ہُوئے۔ آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ دُشمن پر گولیاں بھی برساتے رہے۔

خار دار تاروں تک پہنچنے سے پہلے ہی کیپٹن محمد سرور کے کندھے میں ایک گولی آکر لگی۔ آپ کا بازو کام سے جاتا رہا اور بدن سے خون کا فوّارہ اُبل پڑا جس سے زمین سُرخ ہو گئی، وہ زمین جس کو دُشمن کے ناپاک قدموں سے بچانے کے لیے آپ نے جان کی بازی لگا رکھی تھی۔

کیپٹن محمد سرور بالآخر خار دار تاروں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُنھوں نے تاروں کو کاٹنا شروع کیا، اتنے میں ایک اور گولی آپ کے جسم کے آر پار ہو گئی، مگر اپنے فیصلے پر چٹان کی طرح اٹل رہنے والے اس بہادر فوجی کے قدم نہ ڈگمگا سکی۔ وہ اِسی اصُول پر کاربند تھے کہ موت صرف ایک بار آتی ہے، پھر کیوں وقت سے پہلے انسان موت سے خوف زدہ ہو۔

کیپٹن محمد سرور کی اُن کے ساتھی بھی مدد کر رہے تھے۔ وہ بھی تار کاٹتے جاتے

تھے۔ اِدھر محمّد سرور نے آخری خار دار تار کو کاٹا اُدھر ایک گولی سنناتی ہُوئی آئی اور آپ کے سینے میں لگی۔ کیپٹن محمّد سرور کا مقصد پُورا ہو چُکا تھا۔ آپ کے ناقابلِ شکست ارادوں نے دُشمن پر کاری ضرب لگائی تھی۔ دشمن کی دفاعی تدابیر ختم ہو چکی تھیں۔ راستے کے تار کٹ چکے تھے، پاکستانی فوج کے لیے یہ بات آسان تھی کہ جا کر دُشمن کے مورچہ پر حملہ کر دے۔ کئی گولیوں کا نشانہ بننے کے بعد اُن کے جسم سے بہت سا خون نِکل چُکا تھا مگر ایسا دکھائی دیتا تھا کہ آپ ایک طرف دُشمن سے لڑ رہے ہیں تو دُوسری طرف موت کو شکست دینے پر تُلے ہُوئے ہیں۔ آخر کار آپ نے شہادت کا سرخ لباس پہن کر سچ مُچ موت کو شکست دے دی۔

مَشق

۱۔ تاریخ کِس قِسم کے لوگوں کے نام ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیتی ہے؟

۲۔ کیپٹن مُحمّد سرور شہید دُشمن سے کہاں لڑے؟

۳۔ کیپٹن محمّد سرور شہید نے خار دار تاروں کو کیوں کاٹنا چاہا؟

۴۔ آپ نے کِس طرح اُن تاروں کو کاٹا؟

۵۔ کیپٹن محمّد سرور شہید کِتنی بار گولیوں کا نشانہ بن کر شہید ہُوئے؟

۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ و محاورات کو اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے۔
جان پر کھیلنا۔ دانت کھٹّے کرنا۔ لازوال شہرت ہونا۔ خدمت کرنا۔ خار دار۔

۷۔ مندرجہ ذیل جُملوں میں جو اسم اور فعل استعمال ہُوئے ہیں اُنھیں جمع میں تبدیل کریں۔
(۱) شاگرد اپنے اُستاد کا ادب کرتے ہیں (۲) بچّہ گھر میں کھیل رہا تھا۔ (۳) میرے بھائی نے امتحان میں کامیابی حاصل کی (۴) ماں اپنے بچّے کو پیار کرتی ہے (۵) میز مہمان کے سامنے سجا دی گئی۔

۸۔ ان پاکستانی شہداء کے نام لکھیے اور تصاویر جمع کیجیے جنھوں نے "نشانِ حیدر" حاصل کیے۔

چھوٹی چھوٹی باتیں

بس سٹاپ پر بہت بھیڑ تھی۔ اجمل کھڑا، بے تابی سے بس کا انتظار کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آج پھر سکول سے دیر ہو جائے گی۔ اس سے پہلے بھی ایک بس آئی تھی مگر وہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اجمل نے بس میں چڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن لوگوں کی دھکم پیل کی وجہ سے نہ چڑھ سکا۔ آخر بہت دیر کے بعد دور سے ایک بس آتی نظر آئی۔ اجمل تیار ہو گیا کہ اس بار میں ضرور گھس جاؤں گا۔ بس جیسے ہی آ کر رکی ایک جم غفیر اس پر ٹوٹ پڑا۔ ہر شخص بس میں گھسنے کی فکر میں تھا۔ کسی کو بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلتا ہوا خود بس میں گھس جانا چاہتا تھا۔ اجمل بھی کسی نہ کسی طرح دروازے سے لٹک ہی گیا اور بس چل پڑی۔ اجمل سوچ رہا تھا، اگر بس سٹاپ پر قطار بنا لی جائے تو ہر شخص اپنی باری پر بس میں چڑھ جائے اور کسی کو کوفت نہ ہو مگر یہ تو صرف سوچ تھی اس پر عمل کون کرے گا۔

بس مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ڈرائیور کے اردگرد بھی بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ ڈرائیور کو بھی بس چلانے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ بس تقریباً رینگتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اجمل سوچنے لگا یہ قانونِ قدرت ہے کہ جب افراد زیادہ ہوں تو وسائل کی کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بڑا کنبہ بھی اسی طرح مختلف مسائل کا شکار ہوتا ہے۔ خوراک کا مسئلہ، لباس کا مسئلہ، تعلیم کا مسئلہ، تربیت کا مسئلہ صحت کا مسئلہ، ذرائع آمد و رفت کا مسئلہ۔ بہت دیر کے بعد بس نے اُسے مطلوبہ سٹاپ پر پہنچا دیا۔ سڑک کی دوسری جانب اجمل کا سکول تھا۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ ٹریفک سیلاب کی طرح رواں تھی۔ اجمل انتظار کر رہا تھا کہ ٹریفک کا زور کم ہو تو وہ سڑک پار کرے۔ اگرچہ اس جگہ زیبرا کراسنگ بنی ہوئی تھی، سڑک کے کنارے بورڈ بھی لگا تھا کہ آگے سکول ہے، آہستہ چلیے، لیکن ان کو دیکھنے کی کسی کو ضرورت ہی کیا۔ کسی کو پیدل چلنے والوں کا خیال تک نہیں تھا۔ موقع ملتے ہی اجمل نے تیزی سے دوڑ کر سڑک پار کی اور ہانپتا ہوا سکول میں داخل ہو گیا۔ دیر ہو چکی تھی۔ سیدھا اپنی جماعت کی طرف دوڑا، مگر اچانک اُس کا پاؤں پھسلا اور

وہ چاروں شانے چت گر پڑا۔ جسم کو سہلاتے ہوئے اُٹھا تو اس نے فرش پر کیلے کا چھلکا دیکھا، جس کے کچھ فاصلے پر کوڑے کا ڈبّا رکھا تھا جس پر لکھا تھا۔ "مجھے استعمال کیجیے"، مگر کسی کو کیا پڑی کہ اس جملے پر غور کرتا۔ جماعت میں پہنچا تو ماسٹر صاحب نے دیر سے آنے پر جھڑکا۔ شرمندہ ہو کر سر جھکائے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کام میں مشغول ہو گیا۔

پیریڈ ختم ہوا اُستاد صاحب چلے گئے۔ اُن کے جاتے ہی جماعت میں شور ہونے لگا۔ اجمل کام کرنا چاہتا تھا، مگر اس ہنگامے میں بھلا کیا کام کر سکتا تھا۔ اُس نے سوچا آخر ہم جماعت میں اطمینان، سکون اور خاموشی سے کیوں نہیں بیٹھتے۔ اجمل لائبریری میں پہنچا۔ ایک کتاب نکلوا کر پڑھنے لگا لیکن یہاں بھی وہی شور تھا۔ لائبریری کے وسط میں بچھی ہوئی میز پر ایک چھوٹی سی تختی پر لکھا تھا "باتیں کرنا منع ہے"۔ تنگ آکر اجمل لائبریری سے نکلا۔ بے مقصد اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد اُسے پیاس محسوس ہوئی تو کولر کے پاس پہنچا۔ یہاں پر ہر طالب علم پہلے پانی پینے کی کوشش میں کولر پر گرا جا رہا تھا۔ بڑی مشکل سے گلاس اجمل کے ہاتھ لگا تو پانی پینا اُس کے لیے مشکل ہو گیا۔ چھینا جھپٹی کی وجہ سے آدھا پانی اُس کے کپڑوں پر گر گیا۔ کپڑے جھاڑتا ہوا وہ یہاں سے نکلا۔ اُسی وقت اگلے پیریڈ کی گھنٹی بجی۔ وہ جماعت میں آگیا۔ بارہ بجے چھٹی کی گھنٹی بجی۔ سب بچے دروازے کی طرف بھاگے، جیسے اُن سب کو قید سے رہائی ملی ہو۔ سب نے دروازے پر ہلّہ بول دیا۔ کوئی کسی کا پاؤں کچل رہا تھا تو کوئی کسی کے کپڑے کھینچ رہا تھا۔ قریب گیٹ کے پاس ایک تختی پر لکھا تھا۔ "پڑھ لکھ کر مہذّب کہلاؤ"۔

اجمل سکول سے بہت دیر کے بعد نکلا اور بس کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ اتّفاق سے اُس کے دوست کے والد کی گاڑی اُدھر سے گزری تو اُنھوں نے اجمل کو دیکھا۔ سڑک پر ہجوم دیکھ کر اُنھوں نے اُسے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا تاکہ اُسے اُس کے گھر کے قریب اُتار دیں۔ اجمل نے بھی شکریہ ادا کیا اور سکون کا سانس لیا۔ چلو اس وقت تو بس کے دھکّے کھانے سے نجات ملی۔ سڑک پر بے حد ہجوم تھا۔ گاڑیاں، ویگنیں، بسیں، موٹر سائیکلیں، سائیکلیں، بڑے بڑے ٹرک، تانگے، ریڑھے، سب ہی بے ترتیب حالت میں اِدھر اُدھر

سے نکلنے کی فکر میں تھے۔ اجمل نے سوچا، اگر سب ٹریفک کے قوانین کی پابندی کریں تو اتنا ہجوم نہ ہو۔

پیدل چلنے والے بیچ بیچ کر سڑک کے کنارے پر چل رہے تھے کیونکہ فٹ پاتھوں پر یا تو کاریں اور دوسری گاڑیاں کھڑی تھیں یا ٹھیلے لگائے گئے تھے یا دُکانیں سجائی گئی تھیں۔ آخر پیدل چلنے والے کہاں چلیں۔ وہ مجبورًا فٹ پاتھ چھوڑ کر سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔ اجمل کے دوست کے والد مجبور ہو کر بار بار ہارن بجا رہے تھے۔ اجمل نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو سامنے سڑک کے کنارے ایک ہسپتال تھا اور سامنے بورڈ پر "ہارن بجانا منع ہے،، کا نشان بنا تھا مگر ہر طرف زور دار ہارن گُونج رہے تھے۔ اُس نے نظر اُٹھا کر سڑک کی دوسری جانب دیکھا تو کوڑے کرکٹ اور غلاظت کے ڈھیر نظر آ رہے تھے، جن کی بدبُو سے پُوری فضا متاثر ہو رہی تھی۔ اس گندگی سے ایک طرف تو بیماریوں کے پھیلنے کا خطرہ رہتا ہے اور دُوسری طرف ماحول آلودہ ہو رہا ہے۔ ماحول کو آلُودہ کرنے کے لیے کارخانوں اور موٹروں، گاڑیوں کا دُھواں ہی کچھ کم نہیں کہ ہم اِس میں اپنی کوششوں سے اس گندگی کے ذریعے مزید اضافہ کر رہے ہیں۔

اجمل گھر پہنچا، کھانا کھانے سے فارغ ہو کر سو گیا۔ سہ پہر کے وقت اُس کی امّی نے اُسے ایک قریبی بنک میں بجلی کا بِل جمع کرانے بھیجا۔ بنک کی کھڑکی کے سامنے لمبی سی قطار لگی تھی۔ اجمل بھی قطار کے آخر میں کھڑا ہو گیا۔ وقت گزرتا گیا مگر قطار وہیں کی وہیں تھی اور آگے بڑھتی بھی تو کیسے۔ بہُت سے لوگ قطار کے بیچ میں گھُستے جا رہے تھے۔ دُوسرے اعتراض کرتے تو لڑنے جھگڑنے پر اُتر آتے۔ آخر ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد مشکل سے اجمل کی باری آئی تو بِل جمع کرنے والا شخص اُٹھ کھڑا ہُوا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ چائے پینے چلا گیا۔ اجمل کو یہ دیکھ کر بہُت غصّہ آیا کیونکہ باہر سینکڑوں افراد جن میں بیمار بُوڑھے بھی تھے بِل جمع کروانے کی غرض سے کھڑے تھے، لیکن وہ شخص چائے پینے کے بعد بھی گپ شپ میں مصرُوف تھا۔ اُسے اُن لوگوں کے وقت کا کوئی احساس ہی نہ تھا۔ اجمل سوچنے لگا، اکثر لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے بلکہ اُسے فضول کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اگر انسان وقت کی

قدر کرے تو وہ دُنیا میں بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔ آج کل وقت ضائع کرنا فیشن میں شامل ہے۔ ہر شخص اگر اپنا ایک منٹ ضائع کر رہا ہے تو باہر کھڑے سینکڑوں لوگوں کے سینکڑوں منٹ ضائع ہو رہے ہیں لیکن اسے وقت کے اس اجتماعی ضیاع کا کوئی احساس نہیں۔

بل جمع کروا کر تھکا ہارا وہ گھر کی طرف روانہ ہُوا۔ بازار میں دکانیں سامان سے بھری ہُوئی تھیں۔ زیادہ تر دکانوں پر آرائش و زیبائش کا سامان تھا۔ ان دکانوں پر بھیڑ بھی خاصی تھی اور لوگ دھڑا دھڑ خریداری کر رہے تھے۔ زیادہ تر لوگ آرائش و زیبائش کا غیر مُلکی سامان پسند کر رہے تھے۔ اجمل سوچنے لگا، کیا اس آرائش و زیبائش کے سامان کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا؟ کیا یہ فضول خرچی نہیں؟ پھر غیر مُلکی سامان منگوانے کے لیے زرِ مبادلہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ زرِ مبادلہ کمانے کے لیے ہمیں اپنی مصنوعات اور بعض اشیا کی خام پیداوار دُوسرے مُلکوں کو فروخت کرنی پڑتی ہیں۔ اس طرح حاصل ہونے والا زرِ مبادلہ اگر صرف ایسے امور پر صَرف ہو جو مُلک کی معاشی ترقّی کے لیے ضروری ہیں تو یہ ہمارے مزدور اور کسان کی محنت کا بہتر صِلہ ہے، لیکن اگر یہ زرِ مبادلہ محض آرائش و زیبائش کے سامان اور غیر ضروری چیزوں کی درآمد پر خرچ کر دیا جائے تو ملک کی ترقّی کا عمل رُک جاتا ہے۔ ہم آخر اِن پہلوؤں پر توجہ کیوں نہیں دیتے؟

اجمل ایسی ہی باتیں سوچتا ہُوا گھر پُہنچ گیا۔ گھر پُہنچ کر وہ لیٹ گیا۔ شام کو اُٹھا اور نماز پڑھ کر سکول کا کام کرنے لگا۔ اُس نے دیکھا گھر کے بُہت سے بلب فالتو جل رہے ہیں۔ اس نے سوچا ہم سب ٹی۔ وی پر اشتہار پڑھتے ہیں " گھر کے فالتو جلتے ہُوئے بلب، ہیٹر، پنکھے وغیرہ بُجھا دیں۔" اُس نے اُٹھ کر فالتو بلب بُجھا دیے۔ واپسی پر باورچی خانے میں چُولھا بھی یُوں ہی جلتے ہُوئے دیکھا، اُسے بھی بند کیا۔ کتنی بُری بات کہ اپنی ذرا سی غفلت سے ہم قوم کا اتنا بڑا نقصان کرتے رہتے ہیں۔ اُس نے سوچا، اگر ہم چاہیں تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر عمل کر کے اپنے تمام کاموں میں نَظم و ضَبط پَیدا کر سکتے ہیں۔

مَشق

۱۔ بس میں سوار ہونے میں دُشواری کیوں پیش آئی؟

۲۔ اپنے سکول میں نظم و ضبط سے متعلق تمام بورڈ پڑھیے اور اُن پر عمل کیجیے۔

۳۔ فضا کو کون کون سی چیزیں آلودہ کرتی ہیں؟

۴۔ آپ ہر روز اپنے ارد گرد چھوٹے چھوٹے نقصانات دیکھتے ہیں جو آپ اور آپ کے ہمسایوں کی غفلت سے ہوتے ہیں ۔اُن کا ذکر کیجیے۔

۵۔ سوال نمبر۴ کے جواب میں جن نقصانات کا ذکر ہوا اُنھیں دُور کرنے کے لیے تجاویز بیان کیجیے۔

۶۔ آپ نے شہر یا گاؤں میں بس یا گاڑی میں سفر کیا ہے، اس سفر کی کہانی اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۷۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی بتائیے اور اُنھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔ ہلہ بولنا۔ جمِّ غفیر۔ دھکم پیل۔ ٹوٹ پڑنا۔ کھچا کھچ بھرا ہونا۔ چھینا جھپٹی۔ چاروں شانے چت گرنا۔

۸۔ مندرجہ ذیل غلط جملوں کو درُست کیجیے۔ (ا) اجمل بے تابی سے کھڑا بس کا انتظار کر رہی تھی۔
(ب) بس ڈرائیور کو بس چلانے میں دِقت پیش آ رہا تھا۔
(ج) بس سٹاپ پر قطار بنا لیا جائے تو اچھا ہے۔ (د) یہ سڑک کہاں جاتا ہے؟
(ہ) بہُت سے لوگ بنک کے باہر کھڑا تھا۔ (و) مَیں کل صُبح تُم سے ملنے آئے گا۔
(ز) انگیٹھی میں آگ جل رہا تھا اور شعلے اُٹھ رہی تھی۔

۹۔ درج ذیل میں جو باتیں اچھی اور درُست ہیں اُن پر نشان ✓ لگائیے۔
۱۔ ہمیں بس سٹاپ پر قطار بنا کر بس میں سوار ہونا چاہیے۔
۲۔ ہمیں ڈاک خانے اور بنک میں قطار بنا کر اپنی باری کا انتظار کرنا چاہیے۔
۳۔ قطار میں کھڑے ہو کر وقت برباد کرنا بُری بات ہے، ہمیں کسی اور طریقے سے اپنا کام کرا کے گھر چلے جانا چاہیے۔
۴۔ مختلف جگہوں پر مختلف ہدایتوں کے بورڈ خوبصورتی کے لیے لگائے جاتے ہیں۔
۵۔ پھل وغیرہ کھا کر چھلکے بس میں پھینکنے کی بجائے باہر سڑک پر پھینکنے چاہییں۔
۶۔ لائبریری میں خاموش بیٹھنا اچھّی بات نہیں۔
۷۔ گھر میں جتنے بلب ہوں جلائے رکھنا چاہیے تاکہ گھر روشن روشن لگے اور لوگوں کو معلوم ہو کہ اس گھر میں امیر لوگ رہتے ہیں۔
۸۔ ٹریفک کے قواعد کا ہمیں احترام کرنا چاہیے۔

بابائے اُردُو

ایک ایسی ہی ہستی جس نے اپنی عُمر اُردُو کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور جسے ہم "بابائے اُردُو" کے نام سے یاد کرتے ہیں، مولوی عبدالحق ہیں۔ مولوی عبدالحق ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء کو ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہُوئے۔ والِد کا نام علی حسین تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ چلے گئے جہاں سے بی۔ اے پاس کیا۔ وہیں سرسید اور دُوسری نامور شخصیتّوں کی صُحبت نِصیب ہُوئی۔ عِلمی خدمات کے صلے میں اِلہ آباد یونیورسٹی اور علی گڑھ یونیورسٹی نے اُن کو اعلیٰ ڈگریاں دیں۔

مولوی صاحب نے اپنی عُمر کے قریباً چالیس سال حیدر آباد دکن میں گزارے جہاں مُعلّمی کے ساتھ ساتھ وہ اُردُو زبان کی خدمت بھی کرتے رہے۔ جب انجمن ترقّی اُردُو قائم ہُوئی تو مولوی صاحب کو اس کا پہلا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ انجمن ترقّی اُردُو کا دفتر حیدر آباد سے دہلی مُنتقل ہوا تو آپ بھی دہلی چلے آئے۔ قیام پاکستان کے دو سال بعد ہجرت کر کے کراچی آ گئے اور یہاں بھی انجمن ترقّی اُردو قائم کی۔ پہلے اُس کے سیکرٹری اور پھر صدر کی حیثیّت سے کام کرتے رہے۔ ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء کو کراچی میں آپ کا انتقال ہُوا۔

مولوی عبدالحق کا شُمار اُردُو کے اہم ترین نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی نثر سادہ اور سلیس ہوتی ہے۔ اُنھوں نے بہُت سی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے "چند ہم عصر" اور "خُطباتِ عبدالحق" بہُت مشہُور ہیں۔

اُردو کی ترقّی میں مولوی عبدالحق کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اُنھوں نے قدیم شاعروں اور ادیبوں کے کارناموں سے اہلِ ادب کو پہلی بار رُوشناس کرایا اور یہ اُردُو

پر اُن کا بہُت بڑا احسان ہے۔

مولوی صاحب بہت زندہ دل تھے۔ ایک بار کسی نے مولوی صاحب کی دعوت کی۔ اُسے معلوم تھا کہ مولوی صاحب کھانے کے بعد موسم کا پھل ضرور کھاتے ہیں۔ لہٰذا کھانا ختم ہونے کے بعد میزبان نے ملازم کو آواز دی۔ "فروٹ لاؤ۔" ملازم نے گنڈیریاں لاکر سامنے رکھ دیں۔ مولوی صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی مگر میزبان کا دل رکھنے کے لیے ایک آدھ گنڈیری لے لی۔ رُخصت ہونے کے بعد مولوی صاحب اپنے دوستوں سے پوچھتے رہے۔ "تمُ نے کِتنے فُٹ فروٹ کھایا؟ اور تمُ نے کِتنے گز پھل نوشِ جاں فرمایا۔"

مولوی صاحب کھانے کے وقت تمام آداب کا بہُت خیال رکھتے تھے۔ مثلاً لُقمہ بڑا نہ ہو۔ کھاتے وقت آواز پیدا نہ ہو۔ زیادہ تیزی سے نہ کھایا جائے۔ زور سے ڈکار نہ لیا جائے وغیرہ۔ ایک دفعہ ایک صاحب کھانے کے بعد مولوی صاحب کے سامنے زور زور سے انگلیاں چاٹنے لگے۔ جب وہ اپنی اُنگلیاں چاٹ چُکے تو مولوی صاحب نے اپنا ہاتھ اُن کی طرف بڑھا دیا اور کہا "ذرا میری اُنگلیاں بھی صاف کر دیجیے۔"

ایک بار مولوی صاحب مدارس کے معائنے کے سلسلے میں دورے پر تھے۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پُہنچے۔ اِتّفاق سے جُمعہ کا دن تھا۔ گاؤں والے ان کی وضع قطع دیکھ کر سمجھے کہ بہُت بڑے مولوی صاحب آئے ہیں، آج اُن کا وعظ ہونا چاہیے۔ چُنانچہ اُنھوں نے مولوی صاحب کے پاس جاکر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ مولوی صاحب فوراً راضی ہو گئے۔ اُنھوں نے وہاں جُمعہ کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد وعظ شروع کیا۔ لیکن یہ وعظ مذہب کی بجائے اُردو سے متعلق تھا، جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ گاؤں والوں نے انجمن ترقّیِ اُردو کو اپنی حیثیّت سے بڑھ کر چندہ دیا۔ مولوی صاحب کی اُردو سے اِسی والہانہ مُحبّت کو دیکھ کر مولانا عبدالماجد دریاآبادی کا قول یاد آتا ہے کہ اگر مجموعی طور پر کسی ایک شخص کو اُردو کے محسنِ اعظم کا لقب دیا جا سکتا ہے تو وہ ذات بلا اختلاف مولوی عبدالحق ہی کی ہو سکتی ہے۔

اور بقول سکندر علی وجدؔ

جیے بھی کام کی خاطر، مرے بھی کام کی خاطر
نہ چھانی خاک در در کی کسی انعام کی خاطر

مشق

۱۔ مولوی عبدالحق نے کس کام کے لیے اپنی زندگی وقف کی تھی ؟
۲۔ اِس سبق میں مولوی عبدالحق کے کون سے کارنامے کو اُردُو ادب پر احسان کہا گیا ہے ؟
۳۔ اس سبق میں مولوی عبدالحق کی زندگی کا کون سا دلچسپ واقعہ بیان ہُوا ہے ؟
۴۔ اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے۔
ہجرت ۔ معائنہ ۔ والہانہ ۔ انعام ۔ قول ۔ دل رکھنا ۔ خاک چھاننا ۔ نظر انداز کرنا۔
۵۔ جمع کے واحد اور واحد کے جمع لکھیے۔
خُطبات ۔ خدمات ۔ شخصیّت ۔ دفتر۔
۶۔ اس سبق سے اسم عَلَم تلاش کر کے لکھیے۔
۷۔ درج ذیل عبارت میں موزوں جگہ ختمہ (۔) اور وقفہ (،) لگائیے۔

ہمارا سکول دریا کے کنارے تھا سردیوں میں دریا جم جاتا ہم لوہے کے خاص جُوتے پہن کر بازوؤں سے بادبان باندھ کر برف پر ہَوا کے زور سے پھسلتے اور دُور دُور چلے جاتے گرمیوں میں ایک چھوٹی سی کشتی لے کر نکل جاتے اور کئی کئی دنوں کے بعد لوٹتے دریا کے کنارے کنارے لکھ پتی تاجروں کی کوٹھیاں تھیں عین ان کے سامنے ہم بڑی اُستادی سے ہچکولے دے کر کشتی کو خود ڈبوتے وہ لوگ گھبرا کر ہمیں دریا سے نکالتے اپنے ہاں لے جاتے بڑی خاطر تواضع ہوتی ایک مرتبہ غلطی سے ہم نے کسانوں کے مکان کے سامنے کشتی اُلٹا دی اُنھوں نے نکالا تو سہی لیکن خُوب کان مروڑے ڈرایا دھمکایا کہ اگر کشتی چلانی نہیں آتی تو باہر کیوں نکلتے ہو

ہمارے وطن کا نِشاں

(صُوفی غُلام مُصطفٰی تبسّم)

اِس سے رَشکِ فلک ہے زمینِ وطن
اِس سے روشن ہُوئی ہے جبینِ وطن
ذرّہ ذرّہ وطن کا ہُوا ضَو فشاں
یہ نِشاں ، یہ ہمارے وطن کا نِشاں

یہ ہلال ، آب ہے تیغِ خم دار کی
یہ ستارہ ، چمک بختِ بیدار کی
یہ نِشاں ، قوم کی سطوتوں کا نِشاں
یہ نِشاں ، یہ ہمارے وطن کا نِشاں

یہ نِشاں ، جس سے لرزاں تھے روم و عجم
یہ نِشاں ، جس سے ترساں تھے خاقان وجم
یہ نِشاں ، جس سے تھا سرنِگوں اک جہاں
یہ نِشاں ، یہ ہمارے وطن کا نِشاں

یہ ہمیشہ یُونہی لہلہاتا رہا
جگمگاتا رہا ، ضَو دکھاتا رہا
یہ ابدتک رہے گا یُونہی ضَو فشاں
یہ نِشاں ، یہ ہمارے وطن کا نشاں

مشق

۱۔ اس نظم میں شاعر نے کس نشان کا ذکر کیا ہے ۔
۲۔ ان الفاظ کے معانی لکھیے :۔ ضَوفشاں ۔ جبین ۔ رشک ۔ لرزاں ۔ سرنگوں ۔ خم دار
۳۔ اعراب لگایئے :۔ ضَوفشاں ۔ سطوت ۔ ابد ۔ جبین ۔ عجم

رائٹ برادران

انسان کو مدّت سے ہوا میں اُڑنے کی خواہش تھی۔ وہ جب پریوں، دیوؤں کے قِصّے سُنتا، تو اُس کے دل میں بھی یہ خواہش جاگ اُٹھتی کہ کاش میں بھی ہوا کے دوش پر اُڑ سکتا۔ وہ ہوا میں اُڑتے ہُوئے پرندوں کو حسرت سے دیکھتا تھا۔

جُوں جُوں عِلم ترقّی کرتا گیا اور بہتر سے بہتر زندگی گُزارنے کی جِدّ وجہد شروع ہُوئی تو زندگی کی سہولتوں میں اضافے کی طرف توجّہ دی جانے لگی۔ ایک جگہ سے دُوسری جگہ جانے کے لیے سفری سہولتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ گاڑیوں اور بحری جہازوں کے ذریعے مہینوں کا سفر دنوں اور ہفتوں میں ہونے لگا۔ اس طرح برّی اور بحری راستوں نے دُور دراز ممالک کے لوگوں کو آپس میں قریب تر کر دیا لیکن پھر انسان دن رات اسی سوچ اور فکر میں لگا رہا کہ کِس طرح پرندوں کی طرح فضاؤں میں اُڑ سکے۔

آخر کار امریکہ کے رہنے والے دو بھائی ولبر رائٹ اور اُروِل رائٹ ۱۷؍ دسمبر ۱۹۰۳ء کو اس کوشِش میں کامیاب ہو گئے۔

دونوں بھائیوں کو بچپن میں پتنگ اُڑانے اور پرندے پکڑنے کا بڑا شوق تھا۔ پتنگ جب اُڑتا تو وہ سوچتے کہ کاغذ کا بنا ہُوا یہ پتنگ ہوا میں کِتنی دُور تک اُڑ جاتا ہے۔ وہ پرندے پکڑ پکڑ کر چھوڑ دیتے اور پھر اُنھیں اُڑتے دیکھ کر آپس میں کہتے: ”یار اگر ہم بھی ان کی طرح اُڑنے لگیں تو کتنا مزہ آئے۔“ اُنھیں کتابیں پڑھنے کا بھی بڑا شوق تھا اور اکثر ایسی کتابیں پڑھتے جن میں اُڑنے کے متعلق کچھ لکھا ہوتا۔

ان دنوں ایک جرمن انجنیئر ہوا میں اُڑنے کے تجربے کر رہا تھا۔ دونوں بھائی اخباروں میں جرمن انجنیئر کے تجربے کا حال بڑی دلچسپی سے پڑھتے۔ آخر دونوں نے سوچا کیوں نہ وہ ہوا میں اُڑنے والی کوئی مشین ایجاد کرنے کی کوشش کریں۔

اُن دنوں سائیکلیں نئی نئی بنی تھیں۔ چنانچہ اُنھوں نے سائیکل سازی کا کام شروع کیا۔ اس سے اُنھیں یہ فائدہ ہُوا کہ سائیکل بیچنے سے اُنھیں جو رقم مِلتی وہ ہوا میں اُڑنے کے لیے بنائی جانے والی مشین اور تجربوں پر خرچ کر دیتے۔ آخر دونوں نے اپنی ورکشاپ میں چھوٹی سی اُڑنے والی مشین تیار کر لی اور پھر اُسے اُڑانے کے لیے گھر سے بہُت دُور سمندر کے کنارے لے آئے۔

اُنھیں اپنی کامیابی کا پُورا پُورا یقین تھا۔ اس لیے بہت سے لوگوں کو بلایا کہ آکر اُڑنے کا تماشا دیکھیں لیکن لوگ اُن کا مذاق اُڑانے لگے کہ یہ پاگل ہیں۔ بھلا انسان بھی پرندوں کی طرح اُڑ سکتے ہیں ؟ اگر انسان اُڑنے کے قابل ہوتا تو بازوؤں کی جگہ اُس کے پَر ہوتے۔

ایک صبح سَخت سردی پڑ رہی تھی، لوگ ابھی تک بستروں میں گھُسے ہُوئے تھے۔ ہَوا زور زور سے چل رہی تھی، اُس وقت صرف پانچ آدمی رائٹ برادران کی اُڑنے کی مشین کا تماشا دیکھنے کے لیے آئے۔ ان میں ایک آدمی نے سردی سے کانپتے ہُوئے کہا "ارے میاں جانے دو۔ ہَوا بہت تیز ہے۔ سردی بھی بہُت ہے۔" ولبر رائٹ نے جواب دیا "میرے بھائی! تیز ہَوا، شدید سردی یا طوفان ہمیں اُڑنے سے نہیں روک سکتا۔" چُنانچہ چھوٹا بھائی اُروِل رائٹ جہاز میں بیٹھ گیا اور ولبر اُسے لکڑی کی پٹڑی پر دھکیلنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جہاز ہَوا میں اُونچا اُٹھ گیا۔ تقریباً ایک سو فٹ اُونچا ہو کر بارہ سیکنڈ بعد ریت پر گِر گیا۔ اُروِل جب جہاز کے نیچے سے نکلا تو اپنی کامیابی پر مُسکرا رہا تھا۔ اس کے بعد ولبر رائٹ جہاز میں بیٹھ کر اُنسٹھ سیکنڈ تک ہَوا میں اُڑتا رہا۔ جب جہاز نیچے زمین پر اُترا تو دونوں بھائی ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ مارے خُوشی کے اُن کے مُنہ سے الفاظ نہیں نِکل رہے تھے۔ تماشائی بھی بھاگے بھاگے آئے اور دونوں بھائیوں کے ہاتھ چُومنے لگے۔ "خدا کی قسم کمال کر دیا۔" وہ یک زبان ہو کر بولے۔ "ہم نے زندگی میں آج تک ایسا تماشا نہیں دیکھا، نہ اس کے متعلّق کبھی سُنا ہے۔"

انسان کی تاریخ میں اتنے بڑے کارنامے کا سُن کر لوگ حیران رہ گئے اور ایک دوسرے

سے کہنے لگے "کیا انسان کو بھی پر لگ گئے ہیں؟"

دونوں بھائی اپنی کامیابی پر خُوش ہو کر خاموش بیٹھ نہیں گئے، بلکہ اُنھوں نے پہلے سے زیادہ طاقت ور اُڑنے والی مشین بنانا شروع کی۔ جب مشین تیار ہو گئی تو اُنھوں نے اخبار نویسوں کو بلوایا۔ ان کا خیال تھا کہ اخبار والے اُن کی کامیابی دیکھ کر اخباروں میں لکھیں گے، تو سب لوگوں کو پتا چل جائے گا۔

جب بہت سے اخبار نویس جمع ہو گئے تو اُنھوں نے اُڑنے کا تجربہ کیا لیکن تیز ہَوا اور انجن کی خرابی سے یہ تجربہ کامیاب نہ ہو سکا۔ دونوں بھائیوں کو بڑا دُکھ ہُوا کہ پہلے ہی لوگ اُن کے ہَوا میں اُڑنے کو مذاق سمجھتے تھے، اب تو کوئی بھی یقین نہیں کرے گا۔

دونوں بھائی ایک نئے عزم کے ساتھ اپنے قصبے واپس آئے، اور آتے ہی کام میں لگ گئے۔

کچھ دنوں بعد اُنھوں نے بڑا اچّھا انجن تیّار کر لیا۔ وہ کافی دُور تک اُڑے، پھر اُڑنے کا فاصلہ اور وقت بڑھتا گیا۔ کچھ عرصے بعد اُنھوں نے تجربے بند کر دیے اور ہَوا میں اُڑنے کے طریقوں کا مطالعہ کرنے لگے۔ اپنی ساری جمع پونجی اور وقت اس مطالعہ میں لگا دیا۔

بڑا بھائی ولبر رائٹ فرانس چلا گیا جہاں وہ اُڑنے کے کمالات دکھاتا۔ اس کے پاس کام کرنے کے لیے ایک معمولی میز اور کرسی ہُوا کرتی تھی۔ ایک چھوٹی سی چارپائی تھی جس پر رات کو تھک کر سو جاتا تھا۔ چھوٹا بھائی اروِل رائٹ امریکہ ہی میں اُڑنے کے تجربے کرتا رہا۔ چُنانچہ دونوں بھائی اپنی محنت اور کوشش سے بہت جلد لوگوں میں مشہُور ہو گئے۔

اُن کی شبانہ روز کوشش کا نتیجہ تھا کہ امریکی فوج میں باقاعدہ ہَوا بازی کا سکول کھولا گیا جس میں اُروِل رائٹ لوگوں کو جہاز اُڑانا سکھاتا۔ اس طرح نہ صرف انسان کا ہَوا میں اُڑنے کا دیرینہ خوابِ پُورا ہو گیا، بلکہ ہوائی سفر نے وقت اور فاصلے کو بہت کم کیا۔ موجودہ دَور

میں فضائی برتری کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ آج رنت نئے لڑاکا طیارے، مال بردار اور مسافر بردار ہوائی جہاز آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتے ہُوئے نظر آتے ہیں۔ لاکھوں انسان روزانہ ایک ملک سے دُوسرے ملک نہایت قلیل وقت میں پہنچ جاتے ہیں۔ تجارتی اور دوسری اشیاء کی ترسیل نہایت آسان ہو گئی ہے۔ لڑاکا ہوائی جہاز ملکی دفاع کی اہم ضرورت بن گئے ہیں۔ خلائی جہاز سے انسان نے چاند کی سطح پر قدم رکھا۔ انھی جہازوں نے خلاؤں میں تجربہ گاہیں قائم کی۔ اب اِنسان دوسرے سیاروں کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اس طرح رائٹ برادران کے بچپن کی خواہش نے حقیقت کا رُوپ دھار کر تسخیرِ کائنات کی راہیں کھول دیں۔

مشق

۱۔ انسان کو ہوا میں اُڑنے کا خیال کیسے پیدا ہُوا؟

۲۔ رائٹ برادران کس قسم کی کتابیں پڑھنا پسند کرتے تھے؟

۳۔ اُڑنے والی مشین ایجاد کرنے کے لیے دونوں بھائی اخراجات کیسے پُورے کرتے تھے؟

۴۔ ہوائی جہاز کی اہمیّت اور استعمال پر دو پیراگراف لکھیں۔

۵۔ اس سبق میں سے پانچ اسمِ خاص چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

۶۔ جُملوں میں استعمال کریں۔ جِدّوجہد۔ سہولتیں۔ یک زبان۔ پُونجی۔ مُطالعہ۔ تجربہ۔

۷۔ درج ذیل میں سے مذکّر اور مؤنّث الگ الگ کیجیے۔

مُدّت۔ ہوا۔ خواہش۔ دوش۔ فضا۔ مشین۔ اخبار۔ سردی۔ طوفان۔

۸۔ اعراب لگائیے۔ جدوجہد۔ پونجی۔ طیارہ۔ تسخیر۔ دفاع۔ دیرینہ۔ قلیل۔ سیارہ۔

۹۔ ان الفاظ کے مترادف الفاظ لکھیے۔

بحری۔ برّی۔ فضائی۔ اخبار نویس۔ عزم۔ تسخیر۔ خواہش۔

دیہی زِندگی

سالانہ تعطیلات قریب ہیں۔ کالج اور سکول اڑھائی ماہ کے لیے بند ہونے والے ہیں۔ بچّے آپس میں اس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ یہ تعطیلات کہاں گزاری جائیں۔ بچّے الگ الگ بولیاں بول رہے ہیں۔ آیئے آپ بھی ان کی باتیں سُنیے۔

وحید۔ بھائی جان! نہ معلوم آپ کے امتحان کب ہوں گے؟ میرے تو ختم ہو گئے۔

حمید۔ کیوں کیا بات ہے، میرے امتحان کیوں یاد آئے؟

وحید۔ ہے ایک بات اور باجی آپ کے؟

شہلا۔ ارے بھئی بات تو بتاؤ پہلے۔

وحید۔ بتاؤں! چھٹیوں کا جو پروگرام بنانا ہے۔

شہلا۔ امتحان تو بس ختم ہی سمجھو، پھر جلد ہی چھٹیاں شروع ہو جائیں گی۔ چھٹیاں ہوئیں اور چلے کہیں۔

ابّا جان۔ ہمارا انتظار نہیں کرو گے تُم لوگ؟

حمید۔ آپ کا اور میرا کالج اور ان دونوں کا سکول تو ساتھ ہی بند ہوں گے۔

ابّا جان۔ ہاں بند تو ساتھ ہی ہوں گے لیکن مجھے کالج میں کچھ کام ہے، مَیں تو چند روز بعد ہی تُمھارے ساتھ چل سکوں گا۔

حمید۔ اِس سال چھٹیاں گزارنے کہاں چلیں گے؟

ابّا جان۔ جہاں تُمھاری امّی اور تُم کہو گے۔

وحید۔ ہم تو کراچی چلیں گے۔

حمید۔ ہر سال کراچی، کراچی۔ پچھلے سال بھی تو کراچی ہی گئے تھے۔

شہلا۔ ہمارا دل تو چاہتا ہے کہ کہیں دیہات میں جائیں، جیسے پہلے ایک دفعہ گئے تھے۔

وحید۔ دیہات بھی کوئی جگہ ہے جانے کی بھلا۔ کراچی چلیں گے۔ وہاں کتنی سیر کی تھی! کتنی اچھی چیزیں دیکھی تھیں، ہیں نا بھائی جان؟

حمید۔ بھئی ہم تو گاؤں ہی جائیں گے۔ کیسا لطف آیا تھا اُس دفعہ، خالہ جان سے ملے ہوئے بھی بہُت دن ہو گئے۔

امّی۔ ہاں میاں! میرا بھی یہی ارادہ ہے کہ آپا جان کے پاس گاؤں ہی چلیں۔ اُن سے ملے ہُوئے بھی بہُت دن ہو گئے۔ پھر گاؤں میں خالص گھی، دُودھ اور تازہ سبزیاں کھانے کو ملیں گی۔ دو اڑھائی مہینے مزے سے رہیں گے۔

وحید۔ واہ امّی! دُودھ، دہی، گھی، سبزی کی بھی ایک ہی رہی۔ یہ سب چیزیں تو یہاں بھی ملتی ہیں اور کراچی میں بھی ملیں گی۔

شہلا۔ خاک ملیں گی۔ یہ چیزیں جتنی اچھی، صاف اور خالص گاؤں میں ملتی ہیں، یہاں شہر میں کہاں! تازہ دُودھ اور تازہ مکھن، کتنی مزے دار ہوتی ہیں وہاں یہ چیزیں۔ جی چاہتا ہے بس کھائے جائیں۔

حمید۔ اور سبزیاں کتنی تازہ ہوتی ہیں وہاں۔ کھیت سے توڑو اور لے آؤ۔ یہ نہیں کہ شہر کی طرح کئی کئی دن کی باسی سبزیاں کھانے کو ملیں۔ دیکھ کر اور کھا کھا کر دِل خُوش ہوتا تھا وہاں ان چیزوں کو۔

وحید۔ دیکھیے نا ابُّو! کراچی کتنا بڑا شہر ہے اور پھر ہر طرف رونق ہی رونق۔

حمید۔ اِسے رونق کہتے ہیں! یہ تو شور و غل اور بھاگ دوڑ ہے۔ میں تو کراچی جیسے شہر میں بہُت ہی جلدی گھبرا جاتا ہُوں۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ کہیں سکون کی جگہ رہوں۔ زندگی میں سب سے اہم اور ضروری چیز امن اور سکون ہے۔ اگر امن اور سکون میسّر ہے تو زندگی ہے ورنہ شور و غل اور بھاگ دوڑ میں تو زندگی مُصیبت بن جاتی ہے۔

شہلا۔ جی ہاں بھائی جان! گاؤں میں رہنے والے قُدرتی اور صاف سُتھرے ماحول میں نہایت امن و سکون سے اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ شہر کے ماحول میں تو آلودگی ہی آلودگی ہے۔ ہوا کی آلودگی، پانی کی آلودگی، شور کی آلودگی۔ ہر جگہ اور ہر وقت شور و غل اور بھاگ دوڑ مچی رہتی ہے۔ جتنا بڑا شہر ہوتا ہے اُتنا ہی زیادہ شور و غل ہوتا ہے۔ صُبح ہُوئی اور چیخ و پُکار شروع۔

پھر یہ چیخ و پکار رات گئے تک جاری رہتی ہے ۔ ایک منٹ کو بھی آرام و سکون نہیں ملتا ۔ گھر میں بیٹھے ہوئے بھی چین میّسر نہیں ۔ اِس کے بر خلاف ، گاؤں کی زندگی کتنی پُرسکون ہوتی ہے ۔ نہ شور و غُل ، نہ بھاگ دوڑ ، آرام اور چین ، سکون اور اطمینان سب مُیّسر ۔

وحید : اگر آپ کو سکون کی ایسی ہی ضرورت ہے تو جنگلوں میں نکل جائیے ۔ پہاڑوں میں چلے جائیے ، درختوں پر رہیے ۔ جنگلی پھل کھائیے ۔ وہاں کی زندگی تو بہُت ہی زیادہ پُر سکون اور آرام دہ ہوگی ۔

شہلا ۔ ارے ارے ، تمھیں تو غصّہ آگیا ۔ خیر کوئی بات نہیں ۔ جب ہم خالہ جان کے یہاں جائیں گے تو تمھیں جنگل میں چھوڑتے جائیں گے ، آرام سے رہنا وہاں ۔

امّی ۔ ارے بھئی تُم تو بحث کرنے لگے باقاعدہ ۔ ہمیں زندگی بھر وہاں جاکر رہنا نہیں صِرف دو ایک ماہ چھٹّیاں گزارنے جانا ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ بعض دفعہ دل چاہتا ہے کہ سکون سے کچھ دن گزارے جائیں ۔ تمُھاری خالہ جان کے یہاں گاؤں میں آرام و سکون مُیسّر ہو گا ۔ صاف ہوا ، کھُلی فضا ، کھانے پینے کو خالص اور عُمدہ چیزیں ۔

حمید ۔ صبح ، ہی صبح میں سَیر کو جاتا تھا تو لُطف آتا تھا ۔ ہرے بھرے کھیت ، تازہ ہوا ، پُرسکون ماحول ۔ جی چاہتا تھا گھنٹوں ٹہلتا رہوں ۔

وحید ۔ اور کوئی کام نہ کروں ۔

حمید ۔ نہیں وحید ۔ یہ بات نہیں ۔ کام ، کام کی جگہ اور آرام ، آرام کے وقت ۔ بہر حال اگر کچھ دن کے لیے زندگی میں تبدیلی آجائے تو کِتنا اچھّا ہو ، کِتنا آرام ملے ، کِتنا سکوُن حاصل ہو !

شہلا ۔ مُجھے تو وہاں کے لوگ بہُت پسند آئے تھے ۔ سیدھے سادے ، نہ تصنّع نہ بناوٹ ۔ سادگی تو پیغمبرانہ طرزِ حیات ہے ۔ سادہ زندگی گزارنے کی عادت گاؤں والوں کو بے شُمار مسائل سے بچاتی ہے ۔ مالی اخراجات کا بوجھ کم ہوتا ہے اور زندگی پُر سکون طریق پر گزرتی ہے ۔ پُر تکلّف زندگی میں تصنع اور نمائش کا پہلو زیادہ ہوتا ہے جس کے باعث غیر ضروری

اخراجات بڑھتے ہیں ۔ زندگی حقیقت سے دُور ہو جاتی ہے ۔ انسانی ہمدردی اور محبّتیں دم توڑنے لگتی ہیں ۔ گاؤں کے لوگوں میں تو وہ کہیں نہیں ملتی ۔ کتنے نیک اور سیدھے ہوتے ہیں وہ لوگ ۔ دو سال ہونے کو آئے اب تک یاد آتے ہیں ۔

وحید ۔ اور وہ بھی یاد ہے طبیعت کا خراب ہونا ۔ کتنی پریشانی ہُوئی تھی ۔ وہ تو خُدا کا شُکر ہے کہ آپ کی طبیعت جلد ہی ٹھیک ہو گئی تھی ورنہ بیچ ہی میں آنا پڑتا ۔

شہلا ۔ ایسے اِتّفاقات زندگی میں ہوتے ہی رہتے ہیں اور جب شہر میں لوگ بیمار ہوتے ہیں تو کیا پریشانی نہیں ہوتی ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ گاؤں کے لوگ شہر کے لوگوں کی نسبت کم ہی بیمار ہوتے ہیں ۔ وہاں کی صاف اور تازہ ہوا ، خالص اور تازہ چیزیں ، سکون اور آرام ، ان سب چیزوں کی بنا پر گاؤں کے لوگوں کی صحت بہت اچھّی ہوتی ہے اور بیمار کم ہی پڑتے ہیں ۔

وحید ۔ لیجیے بیمار ہونا بھی اتّفاق ہے ! اور ہاں یاد ہے ، جب بارش ہُوئی تھی تو مُصیبت آگئی تھی وہاں ۔ ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ ، چلنا پھرنا مُشکل ہو گیا تھا ۔

حمید ۔ جی ہاں ، جیسے شہر میں کیچڑ ہوتی ہی نہیں ۔ گاؤں ہو یا شہر ، بارش کے بعد تو ایسی چیزیں ہوتی ہی ہیں ۔ یہ اور بات ہے کہ کہیں کم ، کہیں زیادہ ۔

وحید : ابُّو ، آپ بتائیے ، آپ کا کیا خیال ہے ؟

ابّا جان ۔ میں تو لُطف لے رہا ہوں تم سب کی باتوں کا ۔ تم سب فیصلہ کر لو ۔ جو کچھ تم سب فیصلہ کرو گے ، مجھے وہی منظُور ہو گا ۔

وحید ۔ نہیں ابُّو ہم تو کراچی جائیں گے ۔ گاؤں میں تو لائبریری بھی نہیں ہوتی ، ہم پڑھیں گے کیا ؟ اور تو اور سکول تک نہیں ہوتے ۔ خالہ جان کے بچّے جب تک چھوٹے رہے ، وہاں گاؤں میں رہے ۔ ذرا بڑے ہُوئے تو تعلیم کے لیے شہر میں آنا پڑا ۔ اگر گاؤں میں رہتے تو کچھ بھی نہ پڑھتے لکھتے ۔

حمید : اعلیٰ تعلیم کے لیے تو ایک شہر سے دُوسرے شہر میں جانا پڑتا ہی ہے ۔

وحید ۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ، مڈل جماعتوں کے لیے تو نہیں ۔

حمید۔ اب تو ہر گاؤں میں سکول ہے۔ بڑے گاؤں میں مڈل تک اور چھوٹے گاؤں میں بھی کم از کم پرائمری سکول ضرور ہوتا ہے۔ خالہ جان کے بچّے بھی مڈل تک تو اپنے گاؤں میں پڑھے۔ بڑی جماعتوں تک آتے آتے بچّے اس لائق ہو جاتے ہیں کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں۔ خالہ جان کے بچّے پڑھ نہیں رہے آخر؟

وحید۔ میں کہتا ہوں کہ گاؤں کی زندگی بھی بھلا کوئی زندگی ہے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مڈل جماعتوں تک کے لیے گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تعلیم ہی حاصل نہ کی جائے۔ بیمار پڑ جائیں تو پوری طرح علاج نہیں، گاؤں میں رہ کر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سو سال پیچھے زندگی گزار رہے ہیں، جہاں زندگی میں راحت نہیں، آرام نہیں۔

حمید۔ گاؤں کی زندگی میں راحت نہیں، آرام نہیں؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ بھی! یہ چیزیں تو شہر میں مُیَسّر نہیں۔ گاؤں میں ان کی کیا کمی۔ گاؤں کی زندگی سیدھی سادی ہوتی ہے، گاؤں والوں کو بہت سی چیزوں کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

شہلا۔ گاؤں کی زندگی تو ایک نعمت ہے اور شہر کی زندگی اس کے مقابلے میں افراتفری اور بھاگ دوڑ۔

حمید۔ میرا بس چلے تو مَیں مستقل طور پر گاؤں میں رہنا شروع کر دوں۔ بلکہ مَیں تو تعلیم ختم کرنے کے بعد گاؤں ہی میں جا کر رہوں گا۔ کھیتی باڑی اور باغ کی دیکھ بھال کروں گا اور آرام سے زندگی بسر کروں گا۔

ابّا جان۔ یہ تو بعد کی باتیں ہیں، اس وقت تُم نے کیا فیصلہ کیا؟

شہلا۔ فیصلہ یہی ہُوا کہ یہاں سے خالہ جان کے یہاں گاؤں چلیں گے اور وہاں مزے سے چھُٹیاں گزاریں گے۔ آخر میں کچھ دن کے لیے کراچی بھی ہو آئیں گے، وہاں بھی رشتہ داروں سے مِل لیں گے۔

حمید۔ ہاں! یہ ترکیب ٹھیک ہے۔ یہاں سے خالہ جان کے گھر چلیں گے۔ کچھ دن آرام کریں گے، چھُٹیاں گزاریں گے۔ دو ایک ہفتہ کے لیے آخر میں کراچی چلے چلیں گے۔

وحید۔ نہیں نہیں، یہاں سے پہلے کراچی چلیں گے اور چھٹیاں ختم ہونے سے پہلے دو ہفتے کے لیے خالہ جان کے یہاں چلے جائیں گے۔
شہلا۔ نہیں نہیں۔ پہلے خالہ جان کے یہاں جائیں گے اور پھر اور کہیں۔
ابّا جان۔ تم دونوں فیصلہ کر لو، یا اپنی امّی سے پُوچھ لو، جو کچھ وہ کہیں گی وہی کریں گے۔
حمید۔ نہیں ابّو، آپ بتائیے، امّی نہیں۔
امّی۔ بیکار باتیں مت کرو۔ پہلے کہیں چلیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور دونوں جگہ برابر رہیں گے، ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ مہینے۔ میرا جی آپا جان سے ملنے کو بہُت چاہ رہا ہے۔ پہلے وہاں چلیں گے اور پھر کراچی۔
وحید۔ ہاں ہاں امّی! بس یہ ٹھیک ہے۔
ابّا جان۔ خدا کا شُکر ہے کہ فیصلہ تو ہُوا، ورنہ تم تینوں نے تو لڑنا ہی شروع کر دیا تھا۔ بس ذرا کالج کا کام ختم ہُوا اور روانہ ہُوئے۔ ٹھیک ہے نا!

مَشق

۱۔ آپ کو گاؤں میں رہنا زیادہ پسند ہے یا شہر میں۔ کیوں؟
۲۔ آپ نے پاکستان کے کون کون سے شہر دیکھے ہیں؟ کسی ایک کا حال لکھیے۔
۳۔ گاؤں کی زندگی میں آپ کو کیا کیا خُوبیاں نظر آتی ہیں؟
۴۔ جمع بتائیے۔ تعطیل۔ امتحان۔ فضا۔ نعمت۔ راحت۔
۵۔ بتائیے یہ الفاظ مذکّر ہیں یا مؤنث۔
گھی۔ سبزی۔ دہی۔ زندگی۔ افراتفری۔ کھیتی باڑی۔
۶۔ اعراب لگائیے۔ شکر۔ تصنع۔ ابتداء۔ لطف۔

لطائف

(۱)

ایک آدمی کی بھینس بیمار ہو گئی۔ اُسے معلوم ہُوا کہ پاس کے گاؤں کا نمبردار بہُت سمجھ دار ہے اور کچھ عرصہ پہلے اُس کی بھینس بھی اسی طرح بیمار ہُوئی تھی۔ چنانچہ یہ آدمی نمبردار کے پاس گیا اور پُوچھا، جب آپ کی بھینس بیمار ہُوئی تھی تو آپ نے کیا کیا تھا؟ نمبردار نے جواب دیا، میں نے اُسے مٹی کا تیل پلایا تھا۔ اس آدمی نے گھر آکر بھینس کو مٹی کا تیل پلانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بھینس مر گئی —— اب یہ آدمی روتا ہُوا نمبردار کے پاس پہنچا اور کہا، مٹی کا تیل پلانے سے میری بھینس مر گئی ہے —— نمبردار نے جواب دیا، کوئی بات نہیں، میری بھینس بھی مر گئی تھی۔

(۲)

ایک آدمی ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا، ڈاکٹر صاحب میرا حافظہ بہت کمزور ہو گیا ہے۔ کوئی بات یاد نہیں رہتی۔

ڈاکٹر نے پُوچھا تُمھیں یہ شکایت کب سے ہے؟

مریض بولا۔ کون سی شکایت؟

(۳)

ایک آدمی نے اخبار میں اشتہار دیا کہ اُسے ایک ملازم کی ضرورت ہے۔ بہُت سے لوگ انٹرویو کے لیے آئے لیکن بات نہ بن سکی۔ آخر ایک بے سہارا سا نوجوان اُسے پسند آگیا۔ اشتہار دینے والے نے وضاحت کی کہ میں تنخواہ نہیں دے

سکتا۔ بس دو وقت کا کھانا اور رہنے کی جگہ ملے گی۔ نوجوان ان شرائط پر راضی ہو گیا اور کام کے بارے میں پُوچھا۔

آدمی نے کہا: کام زیادہ نہیں ہے۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بزرگ کا مزار ہے۔ وہاں دِن میں دو بار لنگر تقسیم ہوتا ہے۔ وہاں جاکر اپنا کھانا کھا لینا اور میرے لیے لے آنا۔

(۴)

ایک دفعہ مُلّا نصرُالدین ایک مکان کی ساتویں منزل پر کھڑا تھا۔ نیچے کھڑے ہُوئے ایک شخص نے اُس کو اشارے سے بُلایا۔ مُلّا نصرُالدّین نیچے آیا تو اُس آدمی نے کہا: خدا کے نام پر کچھ دو —— مُلّا نے اشارے سے اُسے اپنے پیچھے آنے کو کہا اور اُسے مکان کی ساتویں منزل پر لے گیا۔ وہاں پُہنچنے کے بعد اُس نے سائل سے کہا: معاف کرو بابا۔

(۵)

ایک صاحب اپنے زمیندار دوست کے یہاں مہمان ٹھہرے ہُوئے تھے۔ ایک دن زمیندار نے کہا: مجھے شہر میں کام ہے تم اگر چاہو تو بندوق اور دو کُتّے لے کر جنگل میں چلے جاؤ اور اپنا نشانہ آزماؤ۔ وہ صاحب کُتّے اور بندوق لے کر جنگل کی طرف گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس آ گئے۔

زمیندار نے پُوچھا: "کوئی اَور چیز چاہیے؟"

"ہاں اَور کُتّے ہوں تو دے دیجیے۔ میرا نشانہ ٹھیک ٹھاک لگا ہے" اُن صاحب نے جواب دیا۔

(۶)

لڑکا (دادی سے): دادی جان! میں نے ریاضی میں سو میں سے اٹھانوے نمبر لیے ہیں۔

دادی (حیرت سے): باقی دو نمبر کون کم بخت لے گیا؟

(٧)

ایک آدمی کو ایک پُرانا چراغ مِلا۔ وہ اُسے رگڑ کر صاف کر رہا تھا کہ قریب پڑے ہُوئے ایک تربُوز سے جن نِکل آیا اور بولا: "کیا حُکم ہے میرے آقا؟" آدمی پہلے تو حیران ہُوا، پھر جن کی یقین دہانی پر کہ وہ اُس کا غُلام ہے، کہنے لگا "میری رہائش کے لیے ایک خُوبصورت مکان ڈھونڈو۔"

جن نے بے بسی سے جواب دیا: اگر مکان مِل سکتا تو مَیں تربُوز میں کیوں رہتا؟

(٨)

ایک آدمی گدھے کو نہلا رہا تھا ___ اُس کے دوست نے سبب پُوچھا تو اُس نے بتایا کہ کل اس کی سالگرہ ہے۔ دوست نے پُوچھا، پھر ہمیں کیا کھلاؤ گے ___ وہ آدمی بولا، "کل آجانا جو کچھ یہ کھائے گا تُم بھی کھا لینا۔"

(٩)

ایک آدمی کو دن کے وقت ایک مچھّر نے کاٹ لیا۔ اُس نے مچھّر سے پُوچھا، تُم تو رات کو کاٹا کرتے تھے، آج دن کو کیسے زحمت کی۔ مچھّر بولا "گھریلو حالات کچھ اچھّے نہیں ہیں اس لیے اوور ٹائم لگا رہا ہُوں۔"

مَشق

آپ کو کچھ لطیفے یاد ہوں تو اُنھیں سکول کی بزمِ اَدب میں سُنائیں۔

آغا خان

محمّد شاہ آغا خان سوم ۲ر نومبر ۱۸۷۷ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے ۔ بچپن میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ۔ ان کی تربیت والدہ نے کی جو بہت سمجھ دار اور پڑھی لکھی خاتون تھیں ۔ آغا خان ادب ، فلسفہ ، دینیات اور سائنس میں بہت مہارت رکھتے تھے ۔ وہ عربی فارسی کے عالم تھے ۔ فارسی شاعری اُنھیں بے حد پسند تھی ۔

آغا خان کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا ۔ اُنھوں نے دُنیا کے بہت سے ممالک دیکھے ۔ وہ برِصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں بھی گھومے ۔ اس طرح اُنھیں مُسلمانوں کی حالت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ اس وقت انگریز یہاں کے حاکم تھے اور مُسلمان انگریزوں کی نفرت کا نشانہ تھے ۔ آغا خان نے محسوس کر لیا تھا کہ مُسلمانوں کی پستی کا سبب اُن میں تعلیم کی کمی ہے ۔

اُن دِنوں سر سیّد احمد خان علی گڑھ کالج قائم کر چکے تھے ۔ آغا خان ، سر سیّد کے جذبے سے بہت متاثّر ہوئے ۔ ۱۹۰۲ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس دہلی میں مُنعقد ہوئی تو آغا خان نے اپنے صدارتی خُطبے میں واضح طور پر اعلان کیا کہ مُسلمانوں کی ترقّی کے لیے مُسلم یونیورسٹی کا قیام ضروری ہے ۔ اسی طرح کی ایک اور کانفرنس ۱۹۰۴ء میں بمبئی کے مقام پر مُنعقد ہوئی ۔ اس میں بھی آغا خان نے مُسلم یونیورسٹی کے قیام پر زور دیا اور لوگوں سے چندہ جمع کرنے کی اپیل کی ۔ اُنھوں نے خود بھی بہت بڑی رقم چندے کے طور پر دی ۔ چندہ جمع کرنے کے سلسلے میں آغا خان لاہور پہنچے تو پُرعقیدت ہجوم نے اُن کی گھوڑا گاڑی سے گھوڑے کو نکال لیا اور نوجوان کئی میل تک خود گاڑی کھینچ کر لے گئے ۔ آغا خان کے تعاون کے سبب بالآخر سر سیّد کی کوشش بار آور ہوئی اور علی گڑھ مُسلم یونیورسٹی قائم ہوگئی ۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں : " جو کام چھ کروڑ مُسلمان نہ کر سکے وہ اکیلے آغا خان نے کیا " ۔ بعد میں

جب آغا خان کو مجلسِ قانون ساز کا ممبر چُنا گیا تو اُنھیں انگریزوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ اس طرح آغا خان نے انگریز کو بہُت قریب سے دیکھا اور اُن پر دُنیا کی اس ترقی یافتہ قوم کی اصل حقیقت کُھلی۔

اُس وقت محکُوم ہندوستان میں صرف ایک نمائندہ سیاسی جماعت تھی جس کا نام کانگریس تھا۔ کانگریس میں یُوں تو ہندُو، مُسلمان سب شریک تھے لیکن اصل میں یہ ہندُوؤں کی جماعت تھی۔ اس جماعت میں شامل مُسلمانوں کو زیادہ اہمیّت نہیں دی جاتی تھی۔ آغا خان نے کوشش کی کہ کسی طرح ہندُوؤں اور مُسلمانوں کو یک جا کیا جائے اور اُن میں موجُود اِختلافات ختم ہو جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔

آغا خان نے محسوس کیا کہ مُسلمانوں کی جُداگانہ حیثیّت اُن کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ چُنانچہ اُنھوں نے نواب مُحسن الملک کے ساتھ مل کر مُسلمانوں کے لیے ایک سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ ۱۹۰۶ء میں مُسلِم لیگ کے نام سے اس جماعت کی بنیاد ڈالی گئی، جس کے پہلے صدر آغا خان تھے۔ آپ چھ برس تک مُسلِم لیگ کے صدر کی حیثیّت سے کام کرتے رہے۔ مُسلِم لیگ کی کوششوں سے انگریز مسلمانوں کے کچھ مُطالبات ماننے پر رضامند ہو گئے۔ وہ مُسلمانوں کو حکومت میں مناسب نمائندگی دینے پر بھی اصُولی طور پر مُتّفق ہو گئے۔

آغا خان صحت کی خرابی کے باعث مُلک سے باہر چلے گئے۔ کچھ عرصہ گزُار کر جب واپس آئے تو مُسلمانوں کو بہُت پریشان پایا کیونکہ حکومت کچھ ایسے اقدامات کر چکی تھی جنھیں اصلاحات کا نام دیا گیا تھا۔ ان اصلاحات سے مُسلمانوں کو بہُت نُقصان پہنچ رہا تھا۔ آغا خان نے ایک اور مُسلمان رہنُما سیّد امیر علی کے ساتھ مل کر ان اصلاحات کے خلاف صدائے احتجاج بُلند کی۔ آپ نے اپنی جدّ و جہد سے انگریزی حکومت کا ناک میں دم کر دیا اور اُسے اپنی اصلاحات میں تبدیلی کرنی پڑی۔

ہندُوؤں کے ساتھ رہتے ہُوئے مُسلمانوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ دونوں قوموں کا ایک ساتھ رہنا ممکن نہیں۔ ہندُو، انگریز سے مُلک آزاد کرا کے مُسلمانوں کو اپنا محکوم بنانا

چاہتے تھے ۔ اسی خدشے کے پیشِ نظر ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبالؒ نے مُسلمانوں کے لیے ایک الگ اور خُود مختار وطن کا تصوّر پیش کیا ۔ مُسلمانوں نے اپنے عظیم رہنماؤں کی قیادت میں اپنے لیے ایک الگ وطن کی کوششوں کو تیز تر کر دیا ۔ آغا خان کی صحت ٹھیک نہیں تھی پھر بھی وہ اس جدّو جہد میں ہر طرح سے مُسلمانوں کی خدمت کرتے رہے ۔ اُنھیں مُسلمانوں کے مستقبل کی فکر دامن گیر رہتی تھی ۔

برِصغیر کے علاوہ بھی جہاں کہیں مُسلمانوں پر بُرا وقت آیا ، آغا خان نے اُن کی ہر طرح سے مدد کی ۔ دوسری جنگِ عظیم میں اُنھوں نے تمام مُسلمانوں خصوصاً ترکوں کے حق میں آواز بُلند کی ۔ اسی طرح جب اُنھیں لیگ آف نیشنز کا صدر منتخب کیا گیا تو وہ مُسلمانوں کی ترقی سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہُوئے ۔

قائدِ اعظمؒ کی قیادت میں برِصغیر کے مُسلمانوں کی جدّو جہد جب کامیابی سے ہم کنار ہُوئی اور پاکستان قائم ہُوا تو آغا خان بے حد خُوش ہُوئے ۔ وہ پاکستان کے سچّے خیر خواہ تھے اور اُنھیں اس نئی مملکت کے رَوشن مستقبل پر پُورا یقین تھا ۔ آغا خان نے پاکستان بننے کے بعد خرابیٔ صحت کے باوجود چار بار پاکستان کا دَورہ کیا ۔ پاکستان کو پھلتے پھُولتے دیکھ کر اُنھیں بہُت خُوشی ہُوئی تھی ۔ ۱۹۵۷ء میں طویل علالت کے بعد اُنھوں نے انتقال کیا ۔

مشق

۱۔ آغا خان کی تربیّت میں کس ہستی کا زیادہ دخل ہے ؟

۲۔ آغا خان نے مُسلمانوں کے لیے الگ سیاسی جماعت کا قیام کیوں ضروری سمجھا ؟

۳۔ آغا خان نے سرسیّد کے ساتھ کس سلسلے میں مدد کی ؟

۴۔ قانون ساز اسمبلی کا ممبر بننے سے آغا خان کو کیا فائدہ ہُوا ؟

۵۔ درست جواب کی نشاندہی کیجیے ۔

(ا) محمد شاہ آغا خان سوم کہاں پیدا ہوئے؟ (کراچی میں۔ بمبئی میں۔ دہلی میں)
(ب) آغا خان کس یونیورسٹی کے قیام میں کوشاں رہے؟ (پنجاب یونیورسٹی۔ آغا خان یونیورسٹی مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
(ج) آغا خان کا انتقال کب ہُوا؟ (۱۹۲۳ء میں، ۱۹۴۷ء میں، ۱۹۵۷ء میں)
(د) آغا خان کس سیاسی جماعت کے صدر تھے؟ (کانگریس، مُسلم لیگ، مسلم کانفرنس)

۶۔ اعراب لگائیے۔
مہارت۔ محکوم۔ متفق۔ علالت۔ منعقد۔

۷۔ جمع کے واحد اور واحد کے جمع لکھیے۔
حاکم۔ مطالبات۔ اصلاحات۔ تصوّر۔ خدشہ۔ فکر۔ اقدامات۔

۸۔ آپ اسمِ معرفہ کی چاروں قسموں سے واقف ہیں۔ اُن کے نام لکھیے اور اس سبق سے اُن کی مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

۹۔ درج ذیل عبارت میں مناسب جگہ پر وقفہ (،) لگائیے۔

چچا ناصر جب بھی ہمارے گھر آتے ہمیں چترال آنے کی دعوت دیتے امّی ابّو اور میں جانے کے لیے تیّار ہُوئے لیکن بھائی جان اپنا کام اُدھورا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ چترال میں برف باری کی وجہ سے سارے راستے بند تھے۔ خاص طور پر لواری ٹاپ جو خُشکی کے راستے چترال پہنچنے کا واحد راستہ ہے برف میں دفن تھی۔ بھائی جان نے کہا اس موسم میں چترال جانا جب کہ وہاں برف باری ہو رہی ہے سخت تکلیف دہ ہو گا۔ اُنھوں نے تجویز کیا کہ چترال کے سفر کو جُون تک ملتوی رکھا جائے جب راستے کُھل جائیں گے۔ چترال کا موسم بھی خوشگوار ہو گا چترال کی سَیر کرنے میں لُطف آئے گا۔

آمدِ صبح

خبر دِن کے آنے کی میں لا رہی ہُوں　　اُجالا زمانے میں پھیلا رہی ہُوں
بہار اپنی مشرق سے دِکھلا رہی ہُوں　　پُکارے گلے صاف چلّا رہی ہُوں
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

اذاں پر اذاں مُرغ دینے لگا ہے　　خوشی سے ہر اِک جانور بولتا ہے
درختوں کے اُوپر عجب چہچہا ہے　　سُہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہَوا ہے
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غُل مچاتی　　اِدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دُموں کو ہلاتی پروں کو پُھلاتی　　میری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

لدے قافلوں کے بھی منزل میں ڈیرے　　کِسانوں کے ہل چل پڑے مُنہ اندھیرے
چلے جال کندھے پہ لے کر مچھیرے　　دَلِدّر ہُوئے دُور آنے سے میرے
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

لو ہُشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو　　نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خُدا کو کرو یاد اور مُنہ سے بولو　　بس اب خیر سے اُٹھ کے مُنہ ہاتھ دھولو
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

پڑی دھوم ہے، آئی میری سواری　　جہاں میں ہُوا اب میرا حُکم جاری
ستارے چُھپے رات اندھیری سُدھاری　　دِکھائی دِیے باغ اور کھیت کیاری
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہُوں

(مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی)

مشق

۱- اِس نظم کو غور سے پڑھ کر جواب دیجیے۔ جب صُبح ہوتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟

۲- صُبح کے وقت اِنسان کو سب سے پہلے کیا کرنا چاہیے؟

۳- نظم کے آخری دو بندوں کا ترجمہ اپنی کاپی میں لکھیے۔

۴- صُبح کے منظر پر ایک پیراگراف لکھیے جس میں سُہانا۔ ہُشیار۔ مُسافر۔ اندھیرا۔ اُجالا کے الفاظ استعمال ہُوں۔

۵- اندھیری رات کی ترکیب میں سے موصُوف بتائیے اور اِس رقسم کے تین مُرکّب نظم سے تلاش کر کے لکھیے۔

۶- ہوا، گاتی اور بولو میں سے ہر ایک کے پانچ پانچ ہم قافیہ الفاظ لکھیے۔

سردار عبد الرّب نشتؔر

خیبر کی بلند و بالا اور پُر شوکت چوٹی پر نظر ڈالیے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ فخر سے سر اُٹھائے یہ کہہ رہی ہو " میری آغوش میں جنم لینے والے انسان آزادی کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہیں۔ میرے سائے میں پرورش پانے والے عزّت اور ناموس کی زندگی کے راز سے واقف ہیں۔ میرے بیٹوں نے برِّصغیر میں اسلام کا پرچم سربلند رکھنے اور مسلمانوں کی ہر سیاسی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے مجھے اس پر ناز ہے۔"

صوبہ سرحد ہمیشہ سے اسلام کا ایک مضبوط قلعہ رہا ہے۔ یہاں سے بڑے بڑے مجاہد اور سرفروش اُٹھے جنھوں نے ہر اُس قوّت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جو مُسلمانوں کے دین اور اُن کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہُوئی۔ جب برِّصغیر میں انگریزی حکومت کے خلاف آزادی کی جنگ برپا تھی تو پشاور کے نہتّے عوام نے بکتر بند گاڑیوں اور مشین گنوں سے لیس انگریزی فوج کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔ اُنھوں نے قصّہ خوانی بازار میں اپنے لہو سے حُرّیت کی وہ شمع روشن کی ہے جس کی ضَو کبھی ماند نہیں پڑے گی۔

پاکستان کی تحریک بھی اسلام کی سربلندی اور مُسلمانوں کے دین اور روایات کے تحفّظ کی جِدّ و جہد تھی۔ صوبہ سرحد کے باشندوں نے بھی اِس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس تحریک کے علمبرداروں میں سردار عبد الرّب نشتؔر کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

سردار عبد الرّب نشتؔر ۱۸۹۹ء میں پشاور شہر کے ایک معزّز گھرانے میں پیدا ہُوئے۔ آپ کے آبا و اجداد قندھار سے پشاور آکر آباد ہُوئے۔ سردار صاحب نے ابتدائی تعلیم پشاور میں حاصل کی۔ پھر پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ علی گڑھ میں اس وقت برِّصغیر کی واحد مُسلم

یونیورسٹی تھی جہاں مُلک کے گوشے گوشے سے مُسلمان طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ اِس یونیورسٹی کے قیام کا ایک مقصد یہ تھا کہ یہاں مُسلمان طلبہ کو اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ اسلام اور مُسلمانوں کی سربلندی کے لیے کام کرسکیں۔ علی گڑھ کے ماحول میں سردار عبدالرّب کی سیاسی تربیت اِس طرح ہُوئی کہ اُنھوں نے مُلک کی سیاست میں جلد ہی ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا۔

۱۹۲۵ء میں آپ قانون کی ڈگری لے کر پشاور واپس آئے اور یہاں وکالت شروع کر دی۔ ساتھ ہی سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ اُنھوں نے اس دَور کی مشہُور سیاسی تحریکوں میں نہایت گرمجوشی سے حصّہ لیا۔ اُنھوں نے انگریزوں کے خلاف سِول نافرمانی کی تحریک میں بھی حصّہ لیا تھا، جس کے بدلے نو ماہ قید کی سزا دی گئی تھی۔

اُس عہد میں سیاست میں حصہ لینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ انگریزوں کی ظالم اور جابر حکومت قدم قدم پر سیاست دانوں کی راہ میں کانٹے بچھاتی تھی۔ چنانچہ سیاست میں حصّہ لینا گویا آگ سے کھیلنا تھا، لیکن سردار عبدالرّب نشترؔ ایک بُلند حوصلہ اور بہادر انسان تھے۔ وہ سیاست کے میدان میں ایک ہیرو کی طرح اُترے اور ۱۹۳۷ء میں صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں نُمایاں کامیابی حاصل کی۔ صُوبائی اسمبلی کا رُکن بننے کے بعد اُنھوں نے صُوبے کے سماجی اور سیاسی اداروں کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور اس طرح اپنے صُوبے کے عوام سے اُن کا رشتہ بہُت مضبُوط ہو گیا۔

اپنے سیاسی تجربوں کے دَوران سردار عبدالرّب نشترؔ کو پتہ چلا کہ برِصغیر کی سیاست نہایت نازک اور خطرناک دَور سے گزُر رہی ہے۔ اُنھیں یقین ہو گیا کہ ہِندو، مُسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش میں مصرُوف ہیں اور وہ اس فکر میں ہیں کہ جیسے ہی انگریز مُلک کو آزاد کریں وہ سارے مُلک پر قبضہ جمالیں اور مسلمانوں کو اپنا غلام بنالیں۔ اِس بات کا قوی امکان بھی تھا کیونکہ مُلک کے چند چھوٹے صُوبوں کو چھوڑ کر باقی تمام صُوبوں میں ہندوؤں کی بھاری اکثریت تھی۔ سردار عبدالرّب نشترؔ پر یہ راز کھُلا تو اُنھیں ہندوؤں اور کانگریس سے سخت نفرت ہو گئی اور اب اُنھوں نے اپنی ساری قوّت مُسلم لیگ کے

فروغ اور پاکستان کے حصول کے لیے وقف کر دی۔

۱۹۴۳ء میں جب صوبہ سرحد میں کانگرس کی وزارت ٹوٹی تو مسلم لیگ کے رہنما سردار اورنگ زیب خان کو نئی وزارت بنانے کی دعوت دی گئی۔ انھوں نے اپنی کابینہ میں سردار عبدالرب نشتر کو بھی وزیرِ خزانہ کی حیثیت سے شامل کیا۔ یہ جنگِ عظیم دوم کا زمانہ تھا اور جنگ کی تیزی کے ساتھ ساتھ تحریکِ آزادی بھی زور پکڑتی جا رہی تھی۔ اس زمانہ میں سردار نشتر نے قائدِ اعظمؒ کے ایک با اعتماد ساتھی کے طور پر صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے مشن کے لیے دن رات کام کیا اور زبردست کامیابی حاصل کی۔

قائدِ اعظمؒ کو سردار نشتر کی سیاسی بصیرت پر پورا اعتماد تھا۔ حقیقت بھی یہ تھی کہ سردار نشتر مسلمانوں کے قومی جذبات کی نمائندگی اور اُن کے سیاسی معاملات کی وکالت نہایت خوبی سے کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں جب شملہ میں انگریزی حکومت، کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ملک کی آزادی کے معاملات پر بات چیت کرنے کے لیے کانفرنس منعقد ہوئی تو قائدِ اعظمؒ نے اس میں نشتر صاحب کو بھی شریک کیا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جس پر صوبہ سرحد کے لوگ بھی ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔

۱۹۴۶ء میں برِصغیر میں ایک عبوری حکومت قائم ہوئی جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کو برابر کا حصّہ دیا گیا۔ اس عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی جانب سے نشتر صاحب کو وزارت میں شامل کیا گیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قائدِ اعظمؒ اور عوام کو آپ کی ذات پر مکمّل اعتماد تھا اور انھیں یقین تھا کہ نشتر صاحب حکومت میں رہ کر بھی مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑ سکتے ہیں۔

۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو وہ مبارک دن آ پہنچا جب برِصغیر کے مسلمانوں کو ایک آزاد اور خود مختار وطن پاکستان کی صورت میں حاصل ہُوا۔ قائدِ اعظمؒ نے اس نئے ملک کی وزارتِ مواصلات کا قلمدان نشتر صاحب کے سپرد کیا۔ بعد میں آپ پنجاب کے گورنر بھی مقرر ہوئے۔ اپنی گورنری کے دوران انھوں نے گورنمنٹ ہاؤس کے دروازے عوام پر کھول دیے اور اس طرح امیر غریب اور چھوٹے بڑے انسانوں کا فرق مٹا دیا۔ انھوں نے عملی طور پر ثابت کر

دکھایا کہ سب سے اعلیٰ حاکم بھی کس طرح عوام کا خادم بن کر رہ سکتا ہے۔ پنجاب کے لوگ آج تک آپ کی گورنری کے عہد کو یاد کرتے ہیں۔

سردار نشترؔ کچھ مُدّت کے لیے صنعت و حرفت کے مرکزی وزیر بھی رہے۔ وزارت سے فارغ ہونے کے بعد آپ مُسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے اپنی جماعت کو مضبوط اور منظّم بنانے کا کام کرتے رہے۔ آخر ۱۴ر فروری ۱۹۵۸ء کو وفات پائی اور قائدِ اعظمؒ کے مزار کے احاطہ میں دفن ہُوئے۔

نشترؔ صاحب صرف میدانِ سیاست کے شہسوار ہی نہیں، ایک اعلیٰ پایہ کے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ وہ مُدّتوں پشاور کی علمی اور ادبی محفلوں میں اپنی اُردو اور فارسی شاعری کا جادو جگاتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ادب کی دُنیا میں بھی اُن کا نام نہایت عزّت و احترام سے لیا جاتا ہے۔

نشترؔ صاحب کی شخصیّت میں اتنی بہت سی خُوبیاں یُوں ہی جمع نہیں ہو گئی تھیں۔ اُنھوں نے نہایت محنت سے پہلے تعلیم حاصل کی پھر دن رات مختلف سماجی اور قومی کام انجام دے کر اپنے آپ کو اس قابل بنایا کہ مُلک و ملّت کی کوئی اعلیٰ خدمت انجام دے سکیں۔ وہ اپنے مقصد میں اس قدر کامیاب رہے کہ آج ہماری قومی تاریخ اُن کا نام لیے بغیر مکمّل نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ محنت اور سچّی لگن سے کام کرنے والے انسانوں کا نام قیامت تک کے لیے زندہ ہو جاتا ہے۔

مَشق

۱۔ صُوبہ سرحد کو اسلام کا قلعہ کیوں کہا جاتا ہے؟
۲۔ سردار عبدالرّب نشترؔ نے کہاں کہاں تعلیم حاصل کی؟
۳۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم پانے سے نشترؔ صاحب کو کیا فائدہ ہُوا؟
۴۔ نشترؔ صاحب کی سیاسی زندگی کب اور کیسے شرُوع ہُوئی؟

۵- پاکستان میں نشتر صاحب نے کن کن عہدوں پر رہ کر عوام کی خدمت کی؟

۶- سیاست کے علاوہ نشتر صاحب کی کوئی اور خوبی بیان کیجیے؟

۷- اعراب لگائیے:

جنم - ناموس - بصیرت - قلعہ - حریت - علمبردار - حصول - احاطہ - ٹھتے -

۸- واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیے -

حقوق - شاعر - ادیب - انتخاب - طلبہ - امکان - جذبات - معاملات -

۹- اِس سبق سے متضاد الفاظ تلاش کر کے جوڑوں کی شکل میں لکھیے -

۱۰- اِس سبق سے اسمِ صِفَت تلاش کر کے لکھیے -

ابتدائی طبّی امداد

سردیوں کی رات میں ہُو کا عالم تھا کہ خوفناک دھماکے کی آواز سُنائی دی۔ ساتھ ہی محلّہ کے تمام مکانات لرز اُٹھے۔ کاشف کا دِل دھڑکنے لگا۔ اُس نے سوچا یہ کِسی تخریب کار کی شیطانی حرکت ہے۔ ابّو نے اپنی زندگی میں کئی بموں کو بیکار بنایا تھا اور اس طرح کئی بے گناہ اور معصوم زندگیوں کو تباہی سے بچایا تھا مگر افسوس خوُد ایک بم کے دھماکے کی نذر ہو گئے۔ کاشِف بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ وہ باہر جانا چاہتا تھا لیکن اُس کی ماں نے اُسے باہر جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا بیٹا کسی مُصیبت میں مُبتلا ہو۔

"اِس وقت ایک بج کر تیس مِنٹ ہیں" گھڑی پر نظر ڈالتے ہُوئے کاشف نے سوچا۔ "تقریبًا آدھی رات گزر چُکی ہے۔ آخر بے قصور عوام کو اتنی بڑی سزا کیوں دی جا رہی ہے۔ چند پیسوں کے عوض اتنی ہولناک تباہی پھیلانا کہاں کی عقلمندی ہے! لیکن قوم کے دُشمنوں کو کون سمجھائے؟"

شور وغوغا بلند ہوُا۔ چیخوں اور سسکیوں کے درمیان مدد کے لیے پُکارنے کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ کاشِف نے آسمان کی طرف سُرخ سُرخ شعلے اُٹھتے ہوئے دیکھے۔ قُرب وجوار میں خوف وہراس پھیل گیا۔ کاشف اُٹھا، ٹیلی فون پر آگ بُجھانے والے عملے کو اطلاع دینا چاہی۔ گھبراہٹ میں اُن کا نمبر نہیں مل رہا تھا، مگر تھوڑی تگ و دو کے بعد فائر بریگیڈ کا نمبر مِل گیا۔ جائے واردات کی اطلاع ملتے ہی فائر بریگیڈ کا عملہ اپنی تیز رفتار گاڑیوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجاتے ہُوئے پہنچ گیا اور آتے ہی بڑی مُستعدی اور جانفشانی سے آگ بُجھانے میں مصرُوف ہو گیا۔ کچھ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت متاثّرین کی مدد کر رہے تھے۔ وہ شُعلوں کو پھلانگتے، جلتے ہُوئے گھروں سے عورتوں، بچّوں اور بُوڑھوں کو اُٹھا کر باہر لا رہے تھے۔

کاشف کے ابّو محکمہ شہری دفاع کے فرض شناس کارکن تھے۔ وہ دفاعی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔ کاشف نے بھی ابتدائی طبّی امداد کی کئی مشقیں ان کی رہنمائی میں مکمّل کیں۔ اُس نے سوچا، آج وقت آن پڑا ہے کہ وہ اپنی تربیت کا عملی مُظاہرہ کرے۔

ماں سے نظر بچا کر کاشف گھر سے باہر آیا اور بھاگتا ہُوا جائے واردات پر پہنچ گیا۔ اُس نے دیکھا، بہُت سے بے ہوش، زخمی اور جُھلسے ہُوئے افراد اِدھر اُدھر پڑے ہیں۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر کاشف کی آنکھیں بھر آئیں۔

کاشف کو قریب جلتے ہُوئے گھروں سے اُٹھنے والے دُھوئیں سے سانس رُکتی ہُوئی محسوس ہُوئی۔ وہ زخمیوں کو دفاعی کارکنوں کی مدد سے کُھلی اور تازہ ہَوا میں لے آیا۔ اُس نے دُھوئیں سے بے ہوش ہونے والوں کے کپڑے ڈھیلے کیے۔ مُنہ اور سر پر جلدی جلدی پانی کے چھینٹے دیے۔ خوف کے مارے بے ہوش ہونے والوں کو نوشادر اور چُونا ملا کر سُنگھایا گیا لیکن ان میں سے تین افراد سانس لینے میں بڑی دِقّت محسوس کر رہے تھے۔ کاشف نے اپنے دوست نعیم کی مدد سے اُن کی مصنوعی طریقے سے سانس بحال کی۔ اس طرح تھوڑی سی کوشش سے اُن کی حالت سنبھل گئی۔

دیواروں کے ٹوٹنے اور چیزوں کے لُڑھکنے کی وجہ سے بہُت سے لوگوں کی ہڈیاں ٹُوٹ گئی تھیں۔ کاشف نے کارکنوں کی مدد سے اِدھر اُدھر سے لوگوں سے کپڑا لے کر تکونی، لمبی اور چوڑی پٹیاں بنائیں۔ لکڑی کے ٹکڑوں کی کھپچیاں بڑی مُشکل سے حاصل کیں اور اس طرح مُختلف پٹیوں میں گرہیں لگا کر ٹوٹی ہُوئی ہڈیوں کو سہارا دیا۔ [illegible] کی گدیوں کو زخموں پر رکھ کر خون کو روکنے کی کوشش کی۔ غرض اُن سب کو [illegible] امداد فراہم کی۔

اتنے میں شور ہُوا کہ ایک بچّہ افراتفری میں گھبرا کر بھاگتا ہُوا گھر سے نکلا اور گھر کے قریب ہی ایک تالاب میں گر گیا۔ کچھ لوگ اُدھر دوڑے۔ کاشف اُن میں سب سے آگے تھا تاکہ بچّے کی مدد کر سکے۔ قریب پہنچ کر کاشف نے تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ وہ تیرنا

جانتا تھا۔ جلد ہی بچّے کو باہر گھسیٹ لایا۔ اُس نے بچّے کو اُلٹا لٹا کر اس کے پیٹ سے پانی نکالا۔ بچّے کے ماں باپ پریشان تھے کیونکہ بچّہ ابھی تک بے حِس و حرکت پڑا تھا۔ کاشف نے اُنھیں تسلّی دی اور بچّے کو سیدھا لٹا کر مصنوعی طریقے سے اُس کی سانس جاری کی۔ بچّہ ہوش میں آگیا۔ کاشف نے بچّے کے ماں باپ کو مشورہ دیا کہ جلد ہی کِسی ڈاکٹر سے معائنہ کروا کے دوا لے لیں۔ اُنھوں نے جھولیاں پھیلا کر کاشف کو دُعائیں دیں اور بچّے کو لے کر چلے گئے۔

کاشف بچّے سے فارغ ہُوا ہی تھا کہ اتنے میں نعیم کی آواز آئی، "کاشف اِدھر آؤ۔ کچھ لوگوں کی حالت بہت نازک ہے۔ اُنھیں فوراً ہسپتال پہنچانا چاہیے۔" کاشف نے کہا "ہاں یہ درُست ہے۔" اس وقت تک رفاہی اداروں کی گاڑیاں امداد بہم پہنچانے کے لیے آ چکی تھیں۔ اس لیے زخمیوں کو شعبہ حادثات تک پہنچانے میں کوئی دِقت پیش نہ آئی۔

سردیوں کی یہ لمبی رات، اِسی دوڑ دھوپ میں گُزر گئی۔ صُبح نمودار ہوئی، سُورج کی کرنیں پھیلنے لگیں۔ کاشف کا جسم بُخار سے تپ رہا تھا اور سر میں شدید درد تھا۔ وہ بہت تھک چُکا تھا۔ گھر لوٹا تو ماں دروازے پر بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ ماں نے اس کی حالت دیکھی، بلائیں لیں اور اُسے اندر لے آئی۔ بستر پر لٹایا اور خود سرھانے بیٹھ کر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اُس کے سر اور پیشانی پر رکھتی رہی۔ گرم گرم دودھ پلایا۔ کاشف کی بے چینی کم ہُوئی تو اُس کی آنکھ لگ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ابُو ایک خوبصورت باغ میں خُوش و خُرّم ٹہل رہے ہیں۔ کاشف بھاگتا ہُوا اُن سے لپٹ گیا۔

"شاباش! بیٹے تُم نے نیکی کے کام کیے ہیں۔ اللہ میاں تجھے نیک اجر دے گا اور دُنیا میں تُمھارا نام روشن ہو گا۔"

مشق

۱۔ ایک کہانی لکھیے جس میں اپنے نیک کام کا ذکر کیجیے۔
۲۔ کاشف جائے واردات پر کیوں پہنچنا چاہتا تھا؟
۳۔ اگر کہیں آگ لگنے کی اطلاع آپ کو ملے تو آپ کیا کریں گے؟
۴۔ محکمہ شہری دفاع کے کارکن کیا کام انجام دیتے ہیں؟
۵۔ کسی شخص کی ہڈی ٹوٹ جائے تو آپ فوری طور پر کونسی طبّی امداد بہم پہنچائیں گے؟
۶۔ کسی ڈوبتے ہوئے کو پانی سے نکالنے کے بعد فوری طور پر کیا کرنا چاہیے؟
۷۔ بہتے ہوئے خون کو روکنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
۸۔ مندرجہ ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔
مستعدی، جان فشانی۔ فرض شناس۔ جمگھٹا۔ چیخنا۔ سِسکنا۔ لپکنا۔

اقوالِ زرّیں

۱۔ علم حاصل کرنا ہر مُسلمان پر فرض ہے۔ (رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم)

۲۔ محنت سے کمائی کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ (رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم)

۳۔ زبان ایسا درندہ ہے اگر اُسے کھلا چھوڑ دیا جائے تو عجیب نہیں کہ تمھیں پھاڑ کھائے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ)

۴۔ خود غرضی مت کرو، بدنام ہو جاؤ گے۔ (حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا)

۵ زیادہ ہنسنا موت سے غفلت کی نشانی ہے۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

۶۔ شرم و حیا ایمان کی نشانی ہے۔ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

۷۔ کسی غلطی کا کھُلے دِل سے اعتراف کر لینا، اُسے نہ کرنے کے برابر ہے۔ (سعدیؒ)

۸۔ جس شخص کو قرض لینے اور خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں وہ سب سے بڑا مال دار ہے۔ (حضرت رُومی علیہ الرحمۃ)

۹۔ ہر مُشکل انسان کی ہمّت کا امتحان لیتی ہے۔ (افلاطون)

۱۰۔ بوڑھا انسان وہ ہے جو علم حاصل کرنا بند کر دے خواہ اُس کی عُمر بیس سال ہو یا اسّی سال۔ (ہنری فورڈ)

۱۱۔ دُنیا کا کوئی شخص جاہل نہیں، ہر شخص سے کچھ نہ کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ (گیلیلو)

۱۲۔ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ (ٹیپو)

۱۳۔ تعلیم انسان کی رُوح کے لیے وہی حقیقت رکھتی ہے جو سنگِ مرمر کے ٹکڑے کے لیے فنِ سنگ تراشی۔ (ایڈیسن)

۱۴۔ زندگی کی مُصیبتیں کم کرنا چاہتے ہو تو زیادہ سے زیادہ مصروف رہو۔ (والٹر)

۱۵۔ کامیابی ایک بار آتی ہے مگر مُصیبت کئی بار آتی ہے۔ (جارج واشنگٹن)

نیا راستہ

نعمت گُل مسجد سے گھر واپس آیا تو دیکھا کہ داد جان چار پائی پر بیٹھے کھانس رہے ہیں۔ وہ دوڑ کر گیا اور قریب ہی پڑے گھڑے سے پانی کا کٹورا بھر کر دادا جان کے پاس پُہنچا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اُنھیں سہارا دیا اور دوسرے ہاتھ سے اُن کو پانی پلایا۔ پانی پینے کے بعد اُن کی طبیعت تھوڑی سی سنبھل گئی اور وہ نعمت گُل کو دُعائیں دیتے ہُوئے لیٹ گئے۔

نعمت گُل کی والدہ تندور پر روٹیاں لگا رہی تھیں۔ اُنھوں نے بھی دادا جان کو کھانستے سُنا تھا لیکن اُنھوں نے کوئی توجہ نہ دی تھی۔ اس بات پر نعمت گل کو حیرت ہُوئی تھی کہ اُس کے والدین کا سلوک دادا جان کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔ وہ اُن کے آرام کا خیال نہیں رکھتے، کھانا وقت پر نہیں دیتے۔ بیماری کی حالت میں اُن کو ڈاکٹر کے پاس لے کر نہیں جاتے۔ وہ گھر میں الگ تھلگ پڑے رہتے تھے۔ نعمت گُل کا ننھا سا ذہن اس گُتھی کو سُلجھانے میں لگا تھا کہ امّی کی آواز آئی۔ "آؤ کھانا کھالو"۔

نعمت گُل ہاتھ دھو کر آیا۔ چنگیر میں گرم روٹی پر مکھّن پڑا تھا۔ ایک تھالی میں ساگ تھا اور ایک کٹورا لسّی کا بھرا رکھا تھا۔ وہ کھانا اُٹھا کر دادا جان کی طرف جانے لگا تو امّی کی تیز آواز نے اُس کے قدم روک دیے۔ "ٹھہرو! تم کھانا کھالو، تھکے ہُوئے ہو۔ میں اُنھیں بعد میں کھانا دے دوں گی۔ وہ تو سارا دن چار پائی پر آرام سے پڑے رہتے ہیں"۔ نعمت گُل خاموشی سے واپس آیا۔ چند لُقمے لیے اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔

شام کو نعمت گُل کے والد کھیتوں سے واپس آئے تو نعمت گل بے چین تھا کہ اُنھیں دادا جان کی بیماری کا بتائے لیکن وہ اس قدر تھکے ہُوئے تھے کہ کھانے کے فوراً بعد سو گئے۔ نعمت گُل نے گائے کو چارہ ڈالا۔ تمام بکریوں کو باندھا اور پھر داد جان کے پاس

گیا۔ وہ سو چُکے تھے۔ کھانا اُن کے پاس ویسے ہی پڑا تھا۔ اُنھوں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ اُسے افسوس ہُوا کہ دادا جان بھُوکے ہی سو گئے۔ وہ بھی واپس آکر سو گیا۔

صُبح جب نعمت گُل اُٹھا تو خلافِ معمول گھر میں چہل پہل تھی۔ دادا جان نے صاف سُتھرے کپڑے پہن رکھے تھے۔ نعمت گُل کو بھی اُس کے والِد نے تیّار ہونے کے لیے کہا، "آج تو مسجد سے چھُٹّی ہے۔" نعمت گُل نے احتجاج کیا۔ والِد نے سختی سے ڈانٹا۔ "ہاں مجھے معلوم ہے کہ آج چھُٹّی ہے۔ تُم سے جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔" وہ باپ کی ڈانٹ سُن کر چُپ ہو رہا اور جلدی سے تیّار ہونے لگا۔ تیّار ہو کر جب وہ باہر آیا تو اُس نے دیکھا کہ اُس کے والِد دادا جان کو سہارا دے کر باہر لے جا رہے ہیں۔ دروازے کے ساتھ تانگہ کھڑا تھا۔ اُنھوں نے دادا جان کو اس میں بٹھایا اور نعمت گُل کو بھی تانگے میں سوار ہونے کا حُکم دیا۔ سب کے بیٹھ جانے کے بعد تانگہ روانہ ہُوا۔

گاؤں میں مکمّل خاموشی تھی۔ ابھی سُورج نہیں نِکلا تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام سے سو رہے تھے۔ گاؤں کی حدود سے نِکلنے کے بعد تانگہ ایسی سمت روانہ ہُوا جہاں اس سے پہلے نعمت گُل کبھی نہیں گیا تھا۔ کچّے پکّے راستوں پر مسلسل دو گھنٹے چلنے کے بعد وہ لوگ ایک پہاڑی علاقے میں پہنچ گئے۔ نعمت گُل یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید دادا جان کو کسی حکیم یا ڈاکٹر کے پاس لے جا رہے ہیں۔ تمام راستے کسی نے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ سب خاموش تھے۔ دادا جان مسلسل تسبیح پڑھتے رہے۔ ایک ویران جگہ پہنچ کر نعمت گُل کے والِد نے کوچوان کو رُکنے کے لیے کہا۔ نعمت گُل کا تجسّس اور حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ اُس کے والِد نے دادا جان کو تانگے سے اتار کر اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا اور نعمت گُل کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد وہ ایک پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ چاروں طرف سنّاٹا تھا۔ کبھی کسی پرندے کی پھڑپھڑاہٹ اس سکُوت کو توڑ دیتی ورنہ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ نعمت گُل اپنی سوچوں میں غرق تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں اور کیا ہو رہا ہے۔

بلندی پر پہنچ کر وہ رُک گئے۔ آخر نعمت گُل سے رہا نہ گیا تو اُس نے اپنے والِد

سے پوچھ ہی لیا، "ابّا جان! آپ دادا جان کو یہاں کیوں لائے ہیں؟" والِد نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "ہم اس پہاڑ سے تمھارے دادا کو نیچے پھینک کر واپس چلے جائیں گے"۔ نعمت گُل ہکّا بکّا رہ گیا۔ "پھر تو دادا جان مر جائیں گے" اس نے فوراً اپنے والِد کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ اُنھیں روک سکے۔ اس کے والِد نے دادا کو دونوں ہاتھوں پر اُٹھایا ہُوا تھا اور اُنھیں پہاڑ سے نیچے پھینکنے والا تھا۔ اُس نے نعمت گُل کو جواب دیا۔ "یہ ہماری روایت ہے"۔ نعمت گُل نے معصُومیت سے پُوچھا۔ "تو پھر بابا جان جب آپ بُوڑھے ہو جائیں گے تو کیا میں بھی آپ کو اِسی طرح پہاڑ سے نیچے گراؤں گا؟" نعمت گُل کی یہ بات سُنتے ہی اس کے والِد کے ہاتھ ایک دم رُک گئے۔ دادا جان کی آنکھوں میں جو آنسو خوف اور دُکھ سے رُک گئے تھے بہہ نکلے۔ اُنھیں وہ وقت یاد آیا جب اُنھوں نے اپنے باپ کو اسی جگہ سے گرایا تھا۔ نعمت گُل کے والِد کو مستقبل کا وہ منظر دکھائی دینے لگا جب اس کا بیٹا اُس کے پوتے کے ساتھ آکر اُسے یہاں سے گرائے گا۔ وقت تھم گیا۔ سانسیں رُک گئیں۔ ہر چہرہ سوالیہ تھا۔ اس سکُوت کو نعمت گُل کی پُرعزم آواز نے توڑا۔ "لیکن میں ایسا نہیں کروں گا بابا جان! میں آپ کو یہاں سے نہیں گراؤں گا۔ آپ میرے والِد ہیں۔ قابلِ احترام اور قابلِ عزّت ہیں اور داد جان تو اس سے بھی زیادہ عزّت کے مستحق ہیں"۔ اس طرح ایک غَلط روایت نے دم توڑ دیا۔ تینوں واپس گئے۔

بچّو! اب بھی والدین بچّوں کو یہ کہانی سُناتے ہیں کہ بزرگ گھر میں برکت کا باعث ہیں اُن کی عزّت کرنی چاہیے۔ آج اگر آپ والدین کی خدمت کریں گے تو کل آپ کے بچّے آپ کی عزّت و خدمت کریں گے۔

مشق

۱۔ نعمت گُل کے والدین کا سلوک دادا جان کے ساتھ کیسا تھا؟

۲۔ اس روایت کے مُطابق، بوڑھے والدین کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا؟

۳۔ نعمت گُل نے کونسی روایت کو توڑا؟

۴۔ بامعنی لفظ یا کلمہ کی تین اقسام ہیں، اسم، فعل، حرف۔ آپ ان تینوں کی تعریف لکھیں اور اس سبق میں سے اسم، فعل اور حرف چُن کر لکھیں۔

پہیلیاں

(۱)

جب وہ بولے ایک اکیلا   سارا شہر مچائے واویلا

(۲)

دُور پہاڑوں پر سے آئے   گھر میں آکر گھُل مل جائے

(۳)

لالہ گھر سے جاتے دیکھا   جلدی جلدی جائے
اپنے گھر کو ایسے چھوڑا   پھر واپس نہیں آئے

(۴)

ذرا سی چیز ہے لیکن کرشمے کیا دکھاتی ہے
وہ گھر بیٹھے بشر کو سیر دُنیا کی کراتی ہے
ہزاروں سال کے حالات ہیں اس کی نگاہوں میں
جو اس سے لَو لگاتے ہیں اُنھیں عالم بناتی ہے

(۵)

زمیں لوہے کی ہے تو چار دیواری ہے لکڑی کی
نرالا باغ ہے کھِلتی ہیں کلیاں بے حساب اس میں
جو پتھّر کی چھڑی لے کر وہاں تم گھومنے نکلو!
سجھائی دے گا ہر ڈھب کے سوالوں کا جواب اس میں!

(۶)

چار چور چالاک بڑے   سینے پر رہتے ہیں کھڑے
ٹالے سے ٹلتے ہی نہیں   پھانسی سے ڈرتے ہی نہیں

(۷)

رات کو حاضر دِن کو گُم	رَوشن رَوشن اُس کی دُم

(۸)

اور بن مارے مَر جائے	مارے سے وہ جی اُٹھے

(۹)

جس کی آنکھ سے ٹپکے پانی	ہم نے دیکھی آگ کی رانی

(۱۰)

مِل گئے بچّوں کو وہ دو	مِل نہ سکے جو آدمؑ کو

(۱۱)

ناک پہ بیٹھے پکڑے کان	ایسا بھی ہے اِک شیطان

(۱۲)

پانی پی لے تو مَر جائے	رنگ لال ہے لکڑی کھائے

(۱۳)

کیسا انوکھا مال ہے —— ہڈی کے اُوپر بال ہیں —— بالوں کے اوپر کھال ہے

جوابات

۱۔ سائرن ۲۔ نمک ۳۔ دھواں ۴۔ کتاب ۵۔ سلیٹ ۶۔ بٹن ۷۔ جگنو۔
۸۔ ڈھول ۹۔ موم بتّی ۱۰۔ ماں باپ ۱۱۔ عینک ۱۲۔ آگ ۱۳۔ آم۔

مشق

۱۔ آپ اُستاد صاحب کی نگرانی میں اپنی جماعت کو دو گروپ میں تقسیم کر دیں۔ ایک گروپ پہیلی پُوچھے اور دُوسرا اُسے بُوجھنے کی کوشش کرے۔

۲۔ آپ کو کچھ پہیلیاں یاد ہوں تو اُنھیں اپنی کاپی میں لکھیے۔

۳۔ ان پہیلیوں کو زبانی یاد کیجیے۔

میرا روزنامچہ

محمد طاہر ساتویں جماعت کا طالب علم ہے - اپنے سکول کے ذہین بچوں میں اُس کا شمار ہوتا ہے - اپنی اچھی عادات و اخلاق اور ذہانت کی وجہ سے سب کی آنکھوں کا تارا ہے - وقت کی پابندی، نظم وضبط، دوسروں کی خدمت کا جذبہ اُس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے - تعلیم میں بھرپور دلچسپی لینے کے ساتھ ساتھ فارغ وقت میں اچھی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے اور صحت مند کھیلوں میں حصّہ لیتا ہے - رات کو سونے سے پیشتر دن کے اہم واقعات کو ڈائری میں لکھنا اس کا محبوب مشغلہ ہے - ذیل میں اس کی ڈائری سے ایک دن کے اہم واقعہ کو درج کیا جاتا ہے -

۱۱ اپریل ۱۹۹۳ء

آج حسبِ معمول صبح سویرے اُٹھا - نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کی - پھر سیر کے لیے گھر سے نکلا - آج سکول سے چھٹّی تھی - اس لیے چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں پر سے ہوتا ہوا کھیتوں کی طرف چلا گیا - بہت خوشگوار اور خوبصورت منظر تھا - ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی - سرسبز و شاداب فصل جھوم رہی تھی - آسمان پر ہلکے ہلکے بادلوں کے ٹکڑے اِدھر اُدھر اُڑ رہے تھے - پرندوں کے چہچہانے کی سُریلی آوازیں آ رہی تھیں - گویا خدا کی یہ مخلوق بھی اپنی اپنی زبان میں خدا کی تعریف کر رہی تھی - ہری ہری گھاس پر شبنم کے قطرے یوں چمک رہے تھے جیسے ہر طرف موتی بکھرے ہوں - سورج کے طلوع ہونے پر سنہری کرنیں درختوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر یوں پھیل گئیں، جیسے کسی نے ان پر سونے کی چادر ڈال دی ہو - اس خوبصورت اور دلکش منظر سے لطف اُٹھاتا ہوا واپس گھر پہنچا -

آج نعمان بھائی کے ساتھ چچا جان سے ملنے شہر جانا تھا۔ دونوں بھائی ناشتے سے فارغ ہو کر تیار ہُوئے اور ابُو سے اجازت لے کر گھر سے نکل پڑے۔ شہر ہمارے گاؤں سے آدھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ اس لیے ہم نے پیدل ہی جانے کا فیصلہ کیا۔ پگڈنڈیوں پر سے چلتے ہُوئے شہر پُہنچے۔ ابھی شہر میں داخل ہی ہُوئے تھے کہ عین چوراہے پر ایک المناک حادثہ پیش آیا۔ اُف کیا دردناک نظارہ تھا۔ یُوں ہُوا کہ ٹریفک انسپکٹر چوک میں ڈیوٹی پر کھڑا تھا۔ مال روڈ کی طرف سے ٹریفک کی آمدورفت روک رکھی تھی اور سٹیڈیم روڈ کی طرف سے کاریں، رکشے، موٹر سائیکلیں وغیرہ تیزی سے چل رہی تھیں۔ اچانک "روکو روکو ہٹ جاؤ" کا شور سُنائی دیا۔ ابھی لوگ پوری طرح ادھر متوجہ بھی نہیں ہُوئے تھے کہ ایک بدکا ہُوا گھوڑا مخالف سمت سے پُوری رفتار کے ساتھ تانگہ لیے آتا ہُوا نظر آیا۔ لوگوں نے اُس کو روکنے کی بہتیری کوشش کی، مگر اُس وقت غضبناک جانور کو روکنا آسان کام نہ تھا۔ گھوڑا چوک میں پہنچ کر یک لخت سٹیڈیم کی طرف مُڑ گیا۔ اُدھر سے ایک کار آ رہی تھی۔ کار اور تانگے کی پورے زور سے ٹکر ہو گئی۔ گھوڑا پہلے ہی سے ڈرا ہُوا تھا۔ کار سے ٹکرا کر اُچھلا اور اُس کے اگلے حصے پر چڑھ گیا اور موٹر کے سامنے کے شیشے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہوا تانگے سمیت ایک طرف گر گیا۔ موٹر کا ڈرائیور اور مالک جو آگے بیٹھے ہُوئے تھے، سخت زخمی ہُوئے۔ کار میں بیٹھے ہُوئے آدمیوں کے چہروں اور ہاتھوں سے خُون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ دونوں تڑپنے لگے۔ پچھلی سیٹ پر دو عورتیں اور ایک بچہ بیٹھا ہُوا تھا۔ اُن کی چیخ و پُکار کس قدر دردناک تھی۔ عورتیں بے ہوش سی اوندھی پڑی تھیں۔ بچہ عجیب بے بسی اور تحیّر کے عالم میں تھا۔ اُن میں سے بعض کو شیشے کے ٹکڑے لگنے سے گہرے زخم آ گئے تھے اور خُون بہہ رہا تھا۔ تانگہ بھی چُور چُور ہو گیا۔ گھوڑے کی پچھلی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ کئی جگہ پر اُس کو بھی زخم آ گئے۔ میں اور بھائی جان چند لمحوں کے لیے بے حس و حرکت خوفزدہ کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر اچانک جیسے ہوش آیا اور جائے حادثہ کی طرف دوڑ پڑے تاکہ ان مُصیبت زدہ لوگوں کی کچھ مدد کر سکیں لیکن ہم سے پہلے وہاں بہت سے لوگ پُہنچ چُکے تھے۔ چند نوجوانوں نے ان نیم مُردہ

لوگوں کو گھسیٹ کر کار سے باہر نکالا۔ چند دردمند لوگوں نے اُنھیں اپنی گاڑیوں میں ڈال کر جلدی سے ہسپتال پہنچایا۔ خدا کا شکر ہے کہ تانگے میں کوئی شخص سوار نہ تھا ورنہ اُس کا بچنا ناممکن تھا۔ پولیس فوراً جائے وقوعہ پر پہنچی ، لوگوں کو وہاں سے ہٹایا۔ تانگے اور ٹوٹی ہُوئی کار کو سڑک کے ایک جانب کیا۔ سب لوگ بدقسمت کار میں سوار لوگوں کے بارے میں اظہار افسوس کر رہے تھے۔ اتنے میں کوچوان ہانپتا کانپتا وہاں آ پہنچا۔ اس کا رنگ پیلا پڑ چُکا تھا۔ مُنہ سے خوف اور ڈر کے مارے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہاں کھڑے ہُوئے لوگوں نے اُسے لعن طعن کی۔ تھانیدار نے باز پُرس شروع کی۔ اس بے چارے نے روتے ہُوئے کہا " جناب میرا کیا قصُور ہے ؟ میں نے تو تانگہ سرائے کے نزدیک کھڑا کیا اور خُود حلوائی کی دُکان پر دُودھ پہنچانے چلا گیا۔ کسی ظالم نے گھوڑے کو بدکایا اور وہ خوفزدہ ہو کر دوڑ پڑا"۔ لیکن پولیس والے نہ مانے اور غفلت برتنے پر اُس کا چالان کر دیا۔ مجھ پر تو اس حادثے کا اتنا اثر ہُوا کہ چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ بھائی جان کہنے لگے کہ " دیکھو ایک معمولی سی شرارت کتنے بڑے حادثے کا سبب بنی۔ یہ تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان بے چاروں کی جانیں بچ گئیں ، ورنہ ان کے گھر پر کیا قیامت ٹوٹتی "۔ اس حادثے کے بارے میں باتیں کرتے ہُوئے ہم چچا جان کے گھر پہنچے ، اُنھیں بتایا تو وہ بھی بہت افسوس کرنے لگے۔

حقیقت ہے جس خُوشی سے ہم شہر جانے کے لیے گھر سے نکلے تھے ، وہ اس حادثے کی وجہ سے برباد ہو گئی۔ سارا دِن ہم دونوں افسُردہ رہے۔ شام سے ایک گھنٹہ پہلے واپس گھر پہنچے۔ امّی ابّو کو بھی حادثے کا سُن کر بڑا دُکھ ہُوا۔

اس وقت رات کے دس بجے ہیں۔ آج کے اس دردناک واقعے کو لکھتے ہُوئے سارا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔ خُدا ایسی شرارتوں سے بچائے جس سے مخلُوقِ خُدا کو دُکھ اور تکلیف پہنچے۔ آمین۔

مشق

۱۔ اپنے ایک دن کی ڈائری اپنی کاپی میں لکھیے۔

۲۔ کیا آپ کے مشاہدے میں کسی بچّے کی کوئی ایسی شرارت آئی جس سے دُوسروں کو نُقصان پُہنچا ہو؟

۳۔ درج ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں۔
سونا۔ آسمان۔ طلُوع۔ پیدل۔ رونا۔ دُکھ۔ ہلکا۔

۴۔ درج ذیل کے مترادف لکھیں۔
شبنم۔ ڈھول۔ عالم۔ لہرانا۔ سمت۔

۵۔ درج ذیل محاوروں کو جُملوں میں استعمال کریں۔
آنکھوں کا تارا ہونا۔ رونگٹے کھڑے ہونا۔ دل کانپنا۔ رنگ پیلا پڑنا۔ قیامت ٹوٹنا۔

مصنوعی سیّارے

رات کو اچانک آسمان پر مصنوعی سیارہ اُڑتے ہوئے دیکھا تو سلمیٰ پہلے تو کچھ دیر خاموش رہی پھر اپنی بہن سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

سلمیٰ۔ باجی! یہ مصنوعی سیارے خلا میں قائم کس طرح رہتے ہیں وہ زمین پر گر کیوں نہیں پڑتے؟

باجی۔ سلمیٰ! کوئی بھی چیز زمین کی سطح سے اُوپر ساکن حالت میں معلق نہیں رہ سکتی۔ زمین کی کششِ جسے کششِ ثقل کہتے ہیں اُسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ لیکن اگر اس میں حرکت پیدا کر دی جائے تو وہ زمین پر گرنے کے بجائے فضا میں گھومتی رہے گی یا دوڑتی پھرے گی۔

سلمیٰ۔ کوئی مثال دے کر سمجھایئے گا؟

باجی۔ مثلاً ہوائی جہاز کو لیجیے۔ ہوا سے بھاری ہونے کے باوجود زمین پر نہیں گرتا، کیونکہ وہ حرکت کر رہا ہے۔ اگر ہوائی جہاز کا ایندھن ختم ہو جائے یا انجن کسی خرابی کی وجہ سے کام بند کر دے تو کششِ ثقل کے باعث وہ سیدھا زمین پر آ گرے گا۔

سلمیٰ۔ باجی! یہ حرکت کتنی تیز ہونی چاہیے؟

باجی۔ یہ حرکت اتنی تیز ہونی چاہیے کہ اُس سے جو قوّت پیدا ہو وہ کششِ ثقل کو زائل کر دے۔

سلمیٰ۔ کششِ ثقل کو زائل کرنے کے لیے کتنی تیزی درکار ہے؟

باجی۔ اس کو خلا میں چھوڑنے کے لیے بہت طاقت ور راکٹ استعمال کیے جاتے ہیں۔ تم نے کبھی آتش بازوں کو ہوائی چھوڑتے تو دیکھا ہو گا۔ یہ ہوائی کیا ہوتی ہے؟ بانس یا کسی دوسری لکڑی کی ایک چھوٹی سی ڈنڈی، جس کے ایک سرے پر کاغذ کی پڑیا

لگا کر اُس میں بارُود بھر دیتے ہیں۔ نیچے ایک فیتہ لگا ہُوا ہوتا ہے۔ جب اس فیتے کو آگ دکھاتے ہیں تو ہوائی شُوں شُوں کرتی ہُوئی ہَوا میں اُوپر چڑھ جاتی ہے۔ راکٹ اسی ہوائی کی مانند ہوتا ہے۔ اُس میں اتنا ایندھن ہوتا ہے جو اُسے مقررہ بلندی تک پُہنچا دیتا ہے اور ایندھن ختم ہونے تک مصنوعی سیارہ مطلوبہ بُلندی پر اٹھائیس انتیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کر کے زمین کے گرد گردش کرنے لگتا ہے۔

سلمیٰ۔ انسان کو خلا میں مصنوعی سیّارے چھوڑنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟

باجی ۔مصنوعی سیّارے حقیقت میں خلائی تجربہ گاہیں ہیں۔ ان میں مختلف قسم کے آلات نصب ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے سائنسدان خلا سے مختلف قِسم کی معلومات حاصل کرتے ہیں۔

سلمیٰ ۔کس قسم کی معلومات؟

باجی ۔مصنوعی سیّاروں میں لگے ہُوئے کیمروں کے ذریعے خلا سے زمین کی مختلف قسم کے تصویریں حاصل کی جاتی ہیں۔ اِن تصویروں سے موسمی طوفانوں، درجۂ حرارت، فضائی دباؤ اور بادلوں کی نقل و حرکت کا پتا لگایا جاتا ہے۔

سلمیٰ۔ لیکن باجی! کیا یہ معلومات اس سے پہلے سائنسدانوں کو بالکل حاصل نہ تھیں؟

باجی ۔تھیں تو، مگر ایک معمولی حد تک کیونکہ زمین پر موجود رصد گاہوں اور ان میں نصب شدہ دور بینوں کے ذریعے سے دُور دراز ستاروں کا مطالعہ کرنے میں بڑی دِقّت پیش آتی تھی۔

سلمیٰ ۔کیوں پیش آتی تھی یہ دِقّت؟

باجی ۔وہ کیوں کہ گرد و غبار اور ہَوا ان کو زیادہ دُور تک دیکھنے نہیں دیتی تھی۔ لہٰذا سائنسدانوں نے دُور دراز ستاروں کے مطالعہ کے لیے مصنوعی سیّاروں کی صُورت میں کئی رصد گاہیں خلا میں چھوڑ رکھی ہیں؟

سلمیٰ۔ کیا ان سیّاروں میں لگی ہُوئی دور بینیں بھی مختلف قِسم کی ہیں؟

باجی ۔ہاں میری بہن! ان سیّاروں میں ریڈیائی دُور بینیں ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ یہ مصنوعی

سیارے فضا میں نہیں خلا میں ہوتے ہیں اور خلا میں ہوا نہیں ہوتی لہٰذا گرد و غبار بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ دُور بینیں خلا میں بہُت دُور تک چیزوں کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اس طرح اِن کی مدد سے ستاروں کے متعلق بہُت سی اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اِنھی سیاروں کے ذریعے معلومات حاصل کر کے انسان نے خلا کی تسخیر کا فخر حاصل کیا اور چاند پر چہل قدمی کی۔

سلمٰی۔ کیا سب مصنوعی سیارے ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں ؟

باجی۔ نہیں تو۔ یہ کئی قسم کے ہوتے ہیں اور سائنسدان ان سے مختلف قسم کے کام لیتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور مُفید "مواصلاتی سیارے" ہیں جن کے ذریعے سے ہم اپنے گھر بیٹھے عالمی شہرت کے پروگرام اپنے ٹیلی وژن پر مزے سے دیکھ لیتے ہیں۔ مواصلاتی سیاروں کے ذریعے سے پُوری دُنیا نے خلائی پروازوں کے منظر دیکھے۔ انسان کو چاند پر اُترتے اور خلا میں چہل قدمی کرتے دیکھا۔

سلمٰی۔ باجی ! ان مواصلاتی سیاروں سے اور کیا کام لیا جاتا ہے ؟

باجی۔ ان سے جہاز رانی میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ ان میں لگے ہُوئے آلات سمندری طوفانوں کا قبل از وقت پتا دیتے ہیں اور جہاز طوفانوں کی زد میں آنے سے بچ جاتے ہیں۔ مصنوعی سیاروں کے ذریعے سے جو تحقیقات ہوتی ہیں، اس سے مختلف انسانی بیماریوں کے علاج کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان کے ذریعے ٹیلیفون کا نظام بہُت بہتر ہو گیا اور مختلف مُلکوں اور شہروں کے درمیان ٹیلیفون کے تار بچھانے کی ضرورت نہیں رہی۔

سلمٰی۔ کیا ان مصنوعی سیاروں میں کبھی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی ؟

باجی۔ ہوتی کیوں نہیں ! اسی لیے تو سائنسدانوں نے خلائی سٹیشن تعمیر کرنے کے منصوبے بنائے ہیں۔ ان میں بیٹھ کر سائنسدان تجربات کریں گے۔ خرابی پیدا ہونے کی صُورت میں خلائی ورکشاپ کی مدد سے اِن مصنوعی سیاروں کی خلا ہی میں مرمّت کر کے اُنھیں دوبارہ کام میں لایا جا سکے گا۔

مشق

۱- کوئی چیز فضا میں حرکت کے بغیر معلق کیوں نہیں رہ سکتی ؟

۲- مصنوعی سیارہ کیا ہوتا ہے ؟

۳- مصنوعی سیارے کو خلا میں کس طرح بھیجا جاتا ہے ؟

۴- کششِ ثقل کو ختم کرنے کے لیے حرکت کی رفتار کتنی تیز ہونی چاہیے ؟

۵- ان کے واحد بتائیے ۔

سوالات ۔ اجسام ۔ آلات ۔ تحقیقات ۔ انتظامات ۔

۶- مندرجہ ذیل محاورات کے معنی لکھیے اور انھیں جملوں میں استعمال کیجیے ۔

آن کی آن میں ۔ ششدر رہ گئے ۔ نظروں سے اوجھل ہونا ۔ زائل ہونا ۔ چہل قدمی کرنا ۔

کہانی

فہمیدہ ایک سمجھ دار عورت تھی۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ اس کے دونوں بیٹے گھر کے نزدیک پرائمری سکول میں پڑھتے تھے۔ بڑا عابد تھا جو کہ جماعت سوم میں تھا اور زاہد چھوٹا تھا اور جماعت دوم کا طالب علم تھا۔ فہمیدہ کا شوہر ریلوے میں ڈرائیور تھا اور اکثر گھر سے باہر رہتا تھا۔

فہمیدہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھی اور صحت اور صفائی کا خاص خیال رکھتی تھی۔ سکول میں تفریح کے وقفے میں دونوں بچوں کو گھر کی بنی ہوئی چیز کھانے کے لیے دیتی تھی۔ تفریح کے وقفے میں دونوں بھائی اپنا کھانا کھاتے۔ فہمیدہ بچوں کو جیب خرچ اس لیے نہیں دیتی تھی کہ وہ کوئی ایسی چیز نہ کھائیں جو صحت کے لیے مُضر ہو۔ سکول میں بکنے والی چیزیں اکثر گندی اور غیر صحت مند ہوتی تھیں۔

عابد اور زاہد جب بچوں کو طرح طرح کی اشیاء کھاتے دیکھتے تو ان کا جی بھی چاہتا کہ وہ بھی کھٹا میٹھا چورن اور آلو چھولے کھائیں مگر جیب خرچ نہ ملنے کی وجہ سے وہ یہ خواہش دل میں دبا دیتے۔ ایک مرتبہ ایک لڑکے سے انھوں نے ذکر کیا تو اس لڑکے نے فوراً ایک ترکیب بتا دی۔ ترکیب یہ تھی کہ وہ دونوں بھائی گھر سے لایا ہوا کھانا کسی ساتھی کو دے کر اس سے پیسے لے سکتے تھے عابد نے اس ترکیب پر عمل کیا چھوٹے بھائی نے منع کیا۔ لیکن بڑے بھائی نے کہنا نہ مانا عابد نے ٹھیلے والوں سے چیزیں خرید کر کھانا شروع کر دیا۔

فہمیدہ نے بچوں کو پرائمری پاس کرنے کے بعد جیب خرچ دینا شروع کر دیا۔ عابد کو پیسے خرچ کرنے کی عادت پڑ چکی تھی اور اسکے دوست بھی زیادہ خرچ

کرنے والے بن گئے تھے۔ کچھ دوست امیر گھرانوں کے تھے اور عابد بھی ان کی دیکھا دیکھی زیادہ خرچ کرتا تھا اب یہ جیب خرچ اُسے کم معلوم ہوتا تھا اس نے اُدھار بھی لینا شروع کر دیا تھا۔ سکول سے آ کر عابد باہر کھیلنے نکل جاتا اور بُرے دوستوں کی صحبت کی وجہ سے اُس نے سگریٹ پینا شروع کر دیا۔

فہمیدہ نے کئی مرتبہ روک ٹوک کی۔ شوہر گھر آیا تو اسے بھی بتایا۔ باپ نے بھی سختی کی مگر باپ کا زیادہ وقت گھر سے باہر گزرتا تھا اور گھر کی تمام ذمہ داری اکیلی فہمیدہ پر تھی۔ فہمیدہ نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کی کہ عابد کن دوستوں کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔ جب اسے علم ہوا کہ عابد سگریٹ پینے لگا ہے تو سختی شروع کی ۔ اب عابد چھپ کر راتوں کو گھر سے باہر جا کر سگریٹ پیتا۔ عابد نے چرس سے بھرے ہوئے سگریٹ پینے شروع کر دیے۔ نشہ پورا کرنے کے لیے عابد نے گھر کے سودے میں سے پیسے چرانے شروع کر دیے تاکہ نشے کی عادت پوری کر سکے۔

فہمیدہ کے شوہر ریٹائرڈ ہو کر گھر آئے اور عابد پر پابندی عائد کر دی کہ وہ باہر بے مقصد نہ جائے۔ اب وہ دکان خریدنا چاہتا تھا اس لیے ریٹائرمنٹ پر ملنے والے پیسے نکلوا کر گھر لے آئے تاکہ دوسرے دن دوکان خرید لیں اور کوئی کاروبار شروع کریں۔

عابد چونکہ نشے کا عادی تھا۔ اور اُسے باہر جانے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ اسلیے رات کو سب کے سونے کے بعد وہ گھر کا دروازہ کھلا چھوڑ کر نشے کے لیے دوستوں کے پاس چلا گیا۔ اس رات چوروں نے گھر کا صفایا کر دیا اور صبح جب فہمیدہ اور اس کے شوہر نے اپنی عمر بھر کی کمائی غائب پائی تو صدمے سے ان کا بُرا حال ہو گیا۔ عابد بھی اپنی بُری عادت کی وجہ سے شرمندہ تھا۔ کاش عابد کو پہلے کی گئی والدین کی نصیحت کا احساس ہو جاتا اور پورا خاندان تباہ ہونے سے بچ جاتا۔

مشق

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

الف فہمیدہ کیسی عورت تھی ؟

ب فہمیدہ کو کس بات کا خیال رہتا تھا ؟

ج عابد اور زاہد کا جی کیا چاہتا تھا ؟

د فہمیدہ عابد اور زاہد کو جیب خرچ کیوں نہیں دیتی تھی ؟

ہ عابد کی نشے کی عادت نے کیا نقصان پہنچایا ؟

۲۔ مندرجہ ذیل عبارت کو مکمل کریں۔

۱۔ فہمیدہ کے شوہر ____________

۲۔ اس رات ____________

۳۔ عابد بھی ____________

۴۔ عابد نے ٹھیلے والوں سے ____________

۵۔ عابد نے گھر کے سودے میں سے ____________

۳۔ اس کہانی کو پڑھ کر آپ جو کچھ سمجھتے ہیں وہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

رشتے

رشتے صرف انسانوں کے درمیان ہی نہیں ہوتے بلکہ زمین پر رہنے والی تمام مخلوق کے مابین آپس میں بھی کوئی نہ کوئی رشتہ ہوتا ہے۔یہ رشتہ اتنا گہرا ہوتا ہے جتنا ایک گھر میں رہنے والوں کا آپس میں۔ ایک گھر میں رہنے والوں کی طرح ہر مخلوق زندگی کو جاری و ساری رکھنے میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتی ہے۔

مٹی، پانی اور ہوا بظاہر بے جان ہیں۔ لیکن تینوں زندگی کا سرچشمہ ہیں۔تینوں کی اپنی ایک طاقت ہے۔ مٹی اپنی طاقت خرچ کر کے بیج سے انکھوا، پودا اور پھر درخت بناتی ہے، سبزہ اگاتی ہے۔پانی ان سب کو پروان چڑھاتا ہے۔یہ کیڑے مکوڑوں، پرندوں، جانوروں اور انسانوں کی پیاس بجھاتا ہے، توانائی پیدا کرتا ہے۔ ہوا نہ ہو تو زندگی ہی ممکن نہیں۔

پودے، پتے، پھل پھول، بیج، سبزہ وغیرہ کیڑے مکوڑوں، چرند پرند اور انسانوں کی غذا بنتے ہیں۔ درخت ان پر سایہ کرتے ہیں۔ ان کے لیے ٹھکانا بنتے ہیں۔ یہ گھریلو استعمال کی چیزیں بنانے کے بھی کام آتے ہیں درخت بارش لاتے ہیں، اپنی جڑوں کی مدد سے زمین کی مٹی کو روکے رکھتے ہیں۔ اس طرح زرخیز مٹی سیلاب اور بارش کے پانی کے ساتھ بہہ کر ضائع نہیں ہوتی۔

دنیا کی کوئی چیز بے کار نہیں ہے۔ نقصان دہ کیڑے مکوڑوں، پرندوں اور جانوروں کے سپرد بھی کوئی نہ کوئی فرض ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں ان کے کام یا فائدے معلوم نہ ہوں مثلاً چھپکلیاں اور سانپ اگر غیر ضروری کیڑے

مکوڑے نہ کھائیں تو دنیا حشرات الارض سے بھر جائے۔ گدھ اور دوسرے گوشت خور پرندے اور جانور نہ ہوں تو جنگل اور ویرانوں میں مردہ جانوروں کے جسم یوں ہی پڑے سڑتے رہیں۔

زندگی کی تصویر اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے بنتی ہے۔ اگر تصویر کا ایک حصہ بھی کم، پھیکا، مدھم یا ٹیڑھا میڑھا ہو تو تصویر ادھوری رہ جائے گی۔ اگر ہماری سمجھ میں کسی چیز کی ضرورت نہیں آتی تو بھی ہر طرح کی زندگی کا احترام کرنا چاہیے۔ زندگی کا توازن زمین سے لے کر انسان تک، تمام مخلوق کے دم سے قائم ہے۔ کسی ایک مخلوق کو بھی مقررہ حد سے زیادہ نقصان پہنچا تو یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

دنیا جنت نہ سہی، جنت کی جھلک ضرور دکھا سکتی ہے۔ وہ ایسے کہ زمین پانی اور ہوا پاکیزہ رہیں۔ گاڑیوں اور کارخانوں سے نکلنے والے دھوئیں اور زہریلے کیمیائی فضلے کا کوئی مناسب انتظام ہو۔ وہ زمین، پانی اور فضا کو آلودہ نہ کرے۔ زمین اور پانی مل کر جو پھل، پھول اور سبزہ لگائیں وہ تر و تازہ اور صحت بخش ہوں۔ اس سبزہ کو کھانے والے اور اس پانی کو پینے والے پرندے، جانور اور انسان صحت مند اور تازہ دم ہوں۔ اس پانی میں بسنے والی مخلوق میں زندگی کی تڑپ ہو۔ ہوا میں لیا جانے والا ہر سانس نئی زندگی کا پیغام ہو۔

مشق

۱۔ زہریلے کیمیائی فضلے کو مناسب طور پر ٹھکانے لگانے کا انتظام کرنا کیوں ضروری ہے؟

۲۔ ہم اپنی دنیا کو جنت کیسے بنا سکتے ہیں؟

۳۔ کس چیز کی کمی سے مٹی پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے؟

۴۔ صحیح جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:۔

الف۔ آپ کے گھروں میں استعمال ہونے والا پانی کہاں سے آتا ہے؟

چشموں سے

نہروں سے

کنوؤں سے

تالابوں سے

ب۔ جو پانی آپ روزانہ استعمال کرتے ہیں وہ کیسا ہوتا ہے؟

صاف ستھرا

نِتھرا ہوا

گدلا

۵۔ ذیل میں کچھ نامکمل جُملے دیے گئے ہیں۔ اُنھیں مکمل کیجیے۔

______ تو دنیا حشرات الارض سے بھر جائے۔

______ تو جنگل اور ویرانوں میں مردہ جانوروں کے جسم یوں ہی پڑے سڑتے رہیں

______ تو یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

۶۔ کتاب سے دیکھ کر جملے تحریر کیجیے۔

دنیا جنت کی ایک جھلک دکھا سکتی ہے، وہ ایسے کہ

(الف) ______ (ب) ______ (ج) ______ (د) ______

خطوط

۲۴۲۔ گلبرگ ۲
پشاور
۲۹ مارچ ۱۹۹۴ء

محترم جناب والد صاحب !

السلامُ علیکم !

میں خیریت سے ہُوں اور آپ تمام اہلِ خانہ کی خیریت خدا وند تعالیٰ سے نیک مطلُوب ہُوں۔

آپ کو یہ خبر سُن کر یقیناً خُوشی ہو گی کہ میں ساتویں جماعت پاس کر کے آٹھویں جماعت میں پہنچ گیا ہُوں۔ میری یہ کامیابی خُدا وندِ قدُوس کے فضل و کرم اور آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ میں انشاءاللہ اب زیادہ محنت کروں گا تاکہ آنے والے امتحان میں زیادہ اچھے نمبر حاصل کر سکوں۔

والدِ محترم ! مجھے اگلی جماعت میں داخلہ لینے اور نئی کتابیں خریدنے کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ میں کتابیں وغیرہ جلد خرید کر اپنی پڑھائی شروع کرنا چاہتا ہُوں۔ مجھے آپ تین سو روپے (۳۰۰) بذریعہ منی آرڈر ارسال کر دیجیے۔ میں مُنتظر رہُوں گا۔

سب گھر والوں کو میری طرف سے سلام پہنچا دیجیے۔

آپ کا بیٹا
مُرتضیٰ

مکان نمبر ۲۷
محلّہ دارا شکوہ۔ لاہور
۵ر اپریل ۱۹۹۴ء

پیارے بیٹے مرتضٰی! دُعائیں۔

تُمھارا خط ملا۔ پڑھ کر خُوشی ہُوئی کہ تم اچھے نمبروں سے کامیاب ہو گئے ہو۔ میری طرف سے مُبارک باد قبول کرو۔ مجھے پوری اُمّید ہے کہ تُم اس دفعہ بھی دِل لگا کر پڑھو گے اور خُوب محنت کرو گے کیونکہ مُسلسل محنت ہی کامیابی کا زینہ ہے۔

گھر کے سب لوگ خُوش ہیں۔ تمھاری کامیابی پر مبارک باد دیتے ہیں۔ تمھاری امّی تُمھاری آئندہ کامیابی کے لیے بھی دُعا کرتی ہیں۔

اِس خط کے ساتھ ہی تمھیں نئی جماعت میں داخلے اور کتابوں کے لیے مبلغ تین سو روپے منی آرڈر کر رہا ہُوں۔ رقم موصُول ہونے پر جوابی خط ضرور لِکھنا۔

فقط دُعاگو
تُمھارا والِد

مَشق

۱۔ یوں تو خطوط کی بہُت سی قسمیں ہیں مگر اِن میں زیادہ مشہور یہ ہیں :
شخصی خطوط۔ عمومی خطوط۔ رسمی خطوط۔ کاروباری خطوط۔ سرکاری خطوط۔
اس سبق میں جو خطوط آپ نے پڑھے ہیں اُنھیں آپ کون سا خط کہیں گے؟

۲۔ اگر آپ کسی ناواقف کو خط لکھیں تو القاب و آداب میں کیا لکھیں گے ؟

۳۔ آپ اپنے چھوٹے بھائی کو نصیحت آموز خط کیسے لکھیں گے ؟

خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

دردِ جس دل میں ہو اُس دل کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں
دُکھ میں ہلتے ہُوئے لب کی دُعا بن جاؤں

اُف وُہ آنکھیں کہ ہیں بینائی سے محروم کہیں
روشنی جن میں نہیں ، نورُ جن آنکھوں میں نہیں
میں اُن آنکھوں کے لیے نُور و ضیا بن جاؤں

ہائے وہ دل جو تڑپتا ہُوا گھر سے نکلے
اُف وُہ آنسُو جو کہیں دیدۂ تر سے نکلے
میں اُس آنسُو کو سُکھانے کو ہَوا بن جاؤں

دُور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی
جب مُسافر کہیں رستے سے بھٹک جائے کوئی
خضر کا کام کروں ، راہ نُما بن جاؤں

عُمر کے بُوجھ سے جو لوگ دبے جاتے ہیں
ناتوانی سے جو ہر روز جُھکے جاتے ہیں
اُن ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں

خدمتِ خلق کا ہر سمت میں چرچا کر دُوں
مادرِ پاک کو جنّت کا نمُونہ کر دُوں
گھر کرے دِل میں جو افسردہ صدا بن جاؤں

(حامد اللہ افسر)

جملہ حقوق بحقِ این۔ڈبلیو۔ایف۔پی ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور محفوظ ہیں
تیار کردہ این۔ڈبلیو۔ایف۔پی ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور بطور واحد
نصابی کتاب برائے جملہ مدارس صوبہ سرحد و قبائلی علاقہ جات و منظور کردہ
قومی ریویو کمیٹی وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالیشان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد
پاک سرزمین کا نظام قوتِ اخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد
پرچم ستارہ و ہلال رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

سیریل نمبر 28929

کوڈ نمبر	تعداد اشاعت	قیمت
BP/D-13-M12	80,000	20.50